قیمت: پانچ روپے

ٹالسن کے خلاف سازش ناکام

نئی حکومت اور مسلمان

AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D KR 14.00	ITALY	LIT 3.000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRI LANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N KR 12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM 3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$ 3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	60p.
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3.400 (INC PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	$1.25

"کیا ملائم کیا کانشی رام ——— میاں بھی بولے گا جے شری رام"

سادھوی رتھمبرا اور سادھوی سرسوتی کی فرقہ وارانہ انتخابی تقریروں سے الیکشن کمیشن کے کانوں پر جوں کیوں نہیں رینگتی؟

"کیا ملائم کیا کانشی رام۔ یہاں تو میاں بھی بولے گا جے شری رام" یہ وہ نعرہ ہے جو وشو ہندو پریشد کی سادھوی شیوا سرسوتی انتخابی جلسوں میں لگاتی پھر رہی تھیں۔ شیوا سرسوتی سنگھ پریوار کی تیسری شعلہ بار مقررہ ہیں۔ انہوں نے سادھوی رتھمبرا کے ساتھ ملک کے کونے کونے میں گھوم گھوم کر بی جے پی کے لئے انتخابی مہم چلائی اور فرقہ واریت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہندوتو کے موقف پر عدالت کی سختی اور الیکشن کمیشن کی طرف سے سخت انتخابی ضابطہ اخلاق کی بنا پر اس الیکشن میں وشو ہندو پریشد اور بی جے پی کی طرف سے رام مندر کے نام پر ووٹ مانگنے سے احتراز کیا گیا لیکن فرقہ واریت پھیلانے اور ہندوؤں کے مذہبی جذبات کا استحصال کرنے کی غرض سے انہوں نے گئو کشی کو ایشو بنایا اور اس کی آڑ میں مسلمانوں کے خلاف جارحانہ حملے کئے۔ ملک کے دوسرے علاقوں کو چھوڑیے خود دہلی میں سادھوی رتھمبرا نے مذہبی منافرت اور کشیدگی پیدا کرنے کی کوشش کی اور اشتعال انگیز تقریر کرکے انتخابی ضابطہ اخلاق کی دھجیاں اڑائیں مگر الیکشن کمیشن کو رتھمبرا کی آواز سنائی نہیں دی اگر سنائی دی تو اسے اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آئی۔ کیونکہ اگر اس نے اسے ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی تصور کیا ہوتا تو ان شعلہ بیانیوں کے خلاف کارروائی ضرور کرتا۔

گئو رکشا آندولن کے نام پر دونوں سادھویوں نے کشیدگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور اپنی تقریر میں کہا کہ وہ ان لوگوں کے خلاف جنگ کررہی ہیں جو کرشن کے محبوب جانور کو ذبح کرتے ہیں۔ اشارہ واضح طور پر مسلمانوں کی طرف تھا۔ حالانکہ قانونی پابندی کے نتیجے میں مسلمان گائے کے ذبیحے سے دور ہیں البتہ جہاں قانوناً اجازت ہے وہاں نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی گائے کا ذبیحہ کرتے ہیں اور یہ کام سرکاری سطح پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اس سے سرکاری خزانے کو کافی معاونت ملتی ہے۔ لیکن گئو رکشا کے نام پر محاذ صرف مسلمانوں کے خلاف کھڑا کیا جاتا ہے۔

۳۲ سالہ سادھوی رتھمبرا اور ۲۷ سالہ سادھوی سرسوتی نے گھوم گھوم کر گئو رکشا کے نام پر تقریریں کیں اپنی تقریروں میں انہوں نے "مسلمانوں اور سیکولر ڈھونگیوں" کے خلاف خوب زہر افشانی کی۔ انہوں نے کہا کہ گایوں کو عرب شیوخ کے لئے ذبح کیا جاتا ہے تاکہ گائے کا گوشت ان کی پلیٹوں میں سجایا جاسکے۔ انہوں نے ہندوستان میں "کئی چھوٹے چھوٹے پاکستان" کے خلاف حکومت کو متنبہ کیا۔ الیکشن کمیشن نے ضابطہ بنایا کہ مذہب کے نام پر ووٹ نہیں مانگا جاسکتا لیکن دونوں سنیاسنوں نے پورے ملک میں گھوم گھوم کر "جے رام جنم بھومی، جے کرشن جنم بھومی، جے گئو ماتا اور جے بھارت ماتا مکتی کشمیر" جیسے نعرے لگا کر خالص غیر سیکولر اور ہندوانہ تقریریں کیں۔

☆ سادھوی رتھمبرا زہر اگلتے ہوئے

مسلمانوں کے خلاف تقریر کرتے ہوئے سادھوی سرسوتی نے کہا کہ اس ملک میں ہندوؤں کی تعداد کم اور مسلمانوں کی زیادہ ہوتی جارہی ہے۔ مسلمان ایک سے زائد عورتوں سے شادی کرتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرکے اکثریت میں آجائیں۔ انہوں نے کہا کہ ہندوؤں کے لئے تو "ہم دو ہمارے دو" کا نعرہ لگایا جاتا ہے جبکہ مسلمان "ہم پانچ ہمارے پچیس" پر عمل کرتے ہیں۔ انہوں نے ہندوؤں کو مشورہ دیا کہ وہ بھی فیملی پلاننگ پر عمل نہ کریں اور زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کریں۔ لگے ہاتھوں بابری مسجد انہدام کا ذکر بھی آتا ہے اور غیر بی جے پی لیڈروں کی مذمت کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو بابری مسجد کے تینوں گنبد بہت عزیز تھے مگر ہم نے انہیں گرادیا۔ کیونکہ وہ ہندوؤں کی غلامی کی نشانی تھے۔

> مسلمانوں کے خلاف تقریر کرتے ہوئے سادھوی سرسوتی نے کہا کہ اس ملک میں ہندوؤں کی تعداد کم اور مسلمانوں کی زیادہ ہوتی جارہی ہے۔ مسلمان ایک سے زائد عورتوں سے شادی کرتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرکے اکثریت میں آجائیں۔ انہوں نے ہندوؤں کو مشورہ دیا کہ وہ بھی فیملی پلاننگ پر عمل نہ کریں اور زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کریں۔

انہوں نے اپنی تقریروں میں کشمیر کو ہندو تاریخ کے ایک سبق سے تعبیر کیا۔ سرسوتی نے جھانسی میں اور رتھمبرا نے دہلی کے کملا نگر میں کہا کہ مسلمان کشمیری ہندوؤں کا قتل کرکے انہیں کشمیر سے ہجرت پر مجبور کررہے ہیں۔ ان ہندوؤں کو "قاتل مسلمانوں" سے بچانا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ کشمیری مسلمانوں کا ایک ہی جواب ہے اور وہ ہیں جگموہن۔ رتھمبرا نے کہا کہ پورے ملک میں جگموہن جیسے امیدواروں کو جتانے کی ضرورت ہے ورنہ پورا ہندوستان کشمیر بن جائے گا اور ہر آنے والی حکومت کشمیری مسلمانوں کی مدد کرتی رہے گی انہیں حج پر بھیجتی رہے گی اور کیلاش مان سرودر جانے کے لئے ہم سے ٹیکس کا مطالبہ کرتی رہے گی۔ ان کی زہریلی تقریروں کا غیر تعلیم یافتہ اور عام لوگوں پر اتنا اثر ہوتا ہے کہ ان کی تقریر سننے کے بعد ایک ناخواندہ ہندو عورت جو کبھی اخبار بھی نہیں پڑھتی جوش میں آکر کشمیری ہندوؤں کو "قاتل مسلمانوں" سے بچانے کے لئے عہد کرنے لگتی ہے۔

اس طرح سادھوی رتھمبرا اور سادھوی سرسوتی نے پورے ملک میں فرقہ واریت پھیلانے کی کوشش کی اور مسلم دشمن تقریریں کیں لیکن الیکشن کمیشن کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی تقریروں سے وہ ماحول نہیں بنا جو سنگھ پریوار بنانا چاہ رہا تھا۔

مہاراشٹر کے مغربی ساحل پر بڑھتی مسلم آبادی سے سنگھ پریوار پر بوکھلاہٹ ' دھمکیوں کا سلسلہ جاری

"اب ہندوؤں کی زمینیں مسلمانوں نے خریدیں تو انجام بہت بھیانک ہوگا"

مہاراشٹر کے مغربی بحری ساحل پر مسلمانوں کی مستحکم ہوتی مالی پوزیشن اور وہاں ان کی سخت ہوتی گرفت سے فرقہ پرست عناصر میں بوکھلاہٹ پیدا ہوگئی ہے، اس علاقے میں ہندوؤں کی اکثریت ہے اور مسلمان اقلیت میں ہیں، کچھ مسلمان خلیجی ممالک میں بھی رہتے ہیں، جس کی بنا پر مسلمانوں کی مالی پوزیشن بہتر ہورہی ہے اور ان کے توسط سے شیوخ کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا ہے۔ پہلے جہاں چند مساجد تھیں وہاں اب بے شمار مساجد تعمیر ہوگئی ہیں، مدرسے کھل رہے ہیں اور دینی تعلیم کا سلسلہ بھی چل پڑا ہے، مسلمان علاقے کے ہندوؤں کی زمینیں اور مکانات بھی خریدنے لگے ہیں، اس صورتحال سے آر ایس ایس نواز طبقہ خوف و ہراس میں مبتلا ہوگیا ہے وہ نہیں چاہتا کہ وہاں مسلمانوں کی پوزیشن بہتر ہو یا مدرسوں اور مسجدوں کا جال بچھے، مسلمانوں کا مالی استحکام انہیں ایک آنکھ نہیں بھارہا ہے اس لئے ان کی پوری کوشش ہے کہ وہ ہندوؤں کی زمینوں اور مکانوں کا مسلمانوں کے ہاتھوں سودا نہ ہونے دیں، کئی مواقع پر وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی ضرورت مند ہندو اپنا مکان فروخت کرنے سے باز نہیں آتا تو اسے دھمکیاں بھی دی جاتی ہیں اور پھر خطرناک نتائج کی دھمکیوں کے پیش نظر وہ اپنا سودا منسوخ کردیتا ہے۔

اس علاقے میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی اور عرب شیوخ کی آمد و رفت کے بارے میں آر ایس ایس کے ترجمان پانچ جنیہ کا کہنا ہے کہ عرب میں تیل کے ذخائر ختم ہورہے ہیں اور وہ اندر ہی اندر مہاراشٹر کے مغربی ساحل کی طرف کھسک رہے ہیں، ترجمان کا خیال ہے کہ عرب اس صورتحال سے واقف ہوگئے ہیں اس لئے وہ ان ذخائر پر قبضہ کرنے کے لئے مہاراشٹر کے مغربی ساحل پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں۔ ان کی خرید و فروخت کے پیچھے یہی منشا کام کررہی ہے۔

> عرب میں تیل کے ذخائر ختم ہورہے ہیں اور وہ اندر ہی اندر مہاراشٹر کے مغربی ساحل کی طرف کھسک رہے ہیں، ترجمان کا خیال ہے کہ عرب اس صورتحال سے واقف ہوگئے ہیں اس لئے وہ ان ذخائر پر قبضہ کرنے کے لئے مہاراشٹر کے مغربی ساحل پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں۔

آر ایس ایس کے حالیہ شمارے میں شائع ایک رپورٹ کے مطابق "آج کل مہاراشٹر کے مغربی ساحل پر زمینوں کا سودا خوب ہورہا ہے، زراعتی زمین، ناریل اور کاجو کے باغوں کی فروخت میں غیر فطری بات کچھ نہیں ہے۔ ایسے سودے تو ہر جگہ چلتے رہتے ہیں مگر یہ پایا گیا ہے کہ ۱۹۸۰ سے ۱۹۹۰ تک یہاں زمین کے کل ۳۸۹۰ سودے ہوئے۔ ان میں سے ۲۵۷۴ سودوں میں مسلمانوں نے ہندوؤں سے زمینیں خریدیں، یعنی ،، فیصد زمین ہندوؤں سے مسلمانوں نے خریدی، ہندوؤں نے ہندوؤں سے جو زمینیں خریدی ہیں وہ ۱۰۹۲ یعنی ۲۸ فیصد ہیں اور مسلمانوں نے مسلمانوں سے زمینوں کا جو سودا کیا وہ صرف ۲۲۴ یعنی چھ فیصد ہے۔ اس خطے میں ہندوؤں کی آبادی ۷۸ فیصد اور مسلمانوں کی ۲۲ فیصد ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مقامی مسلمانوں کے نام پر یہ تمام سودے کئے جاتے ہیں، مگر ان کے پیچھے دوسرے بڑے ذرائع ہوتے ہیں، بمبئی گوا نیشنل ہائی وے کے نزدیک اور مقامی بس اڈے کے نزدیک کا ہر قطعہ آراضی خریدنے میں ان مسلمانوں کو اچانک دلچسپی ہوگئی ہے۔ اب ان سودوں کو روکنا بھی ناممکن ہوگیا ہے۔ زمین کا مالک اسے بیچنے کو راضی ہے اور اس کو منہ مانگی قیمت دیکر خریدنے کو مسلمان راضی ہیں۔ سارا معاملہ قانونی ہے کوئی کچھ کرہی نہیں سکتا۔ حالانکہ وشو ہندو پریشد کے ورکر رتناگری اور سندھو درگ اضلاع میں گاؤں گاؤں گھومے ہیں، میٹنگیں کی ہیں اور لوگوں کی زمینوں کا سودا رکوادیا ہے۔"

اس رپورٹ میں یہ بھی بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ مسلمانوں کے گھروں اور کمپنیوں میں ہندو خواتین مزدوری کرتی ہیں جہاں ان کا جنسی استحصال ہوتا ہے۔ رپورٹ سے ہندوؤں کو مشتعل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اخبار کا کہنا ہے کہ یہ سازش ہندو عورتوں کے خلاف

باقی: صفحہ ۱۲ پر

کوئی جماعت عوام کے معیار اعتماد پر کھری نہیں اتر سکی

رائے دہندگان نے سیاسی پارٹیوں کو ان کی اوقات بتادی

آج مئی کی ۹ تاریخ اور صبح کا وقت ہے۔ اخبار کی آخری کاپی پریس جارہی ہے اور ووٹوں کی گنتی کا دوسرا دن ہے۔ لیکن ابھی تک سو سے بھی کم پارلیمانی سیٹوں کے نتائج سامنے آئے ہیں۔ البتہ زیادہ تر حلقوں سے رجحانات کا پتہ چلا ہے۔ اگرچہ ابھی کوئی حتمی بات نہیں کہی جاسکتی کہ کس پارٹی کو کتنی سیٹ ملے گی اور مرکز میں کس کی حکومت بنے گی۔ پھر بھی ایک بات طے ہے کہ ہندوستان کی خاموش اکثریت نے اپنا فیصلہ دے دیا ہے کہ موجودہ سیاسی پارٹیوں اور فرنٹوں میں سے کوئی بھی اس کے مکمل اعتماد کا مستحق نہیں ہے۔

الیکشن کے نتائج آنے تک مرکز میں حکومت بنانے کے تین دعویدار رہے ہیں۔ کانگریس، بی جے پی اور نیشنل فرنٹ بایاں بازو محاذ۔ مگر ہندوستانی ووٹروں نے ان تینوں ہی دعویداروں کو بحیثیت مجموعی اس معنی میں مسترد کردیا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اتنا صاف ستھرا نہیں ہے کہ اسے اکثریت کا واضح اعتماد حاصل ہوسکے۔

ووٹوں کی گنتی شروع ہونے سے پہلے تک مرکز میں حکومت بنانے کے یہ سارے ہی دعویدار بڑے پر امید تھے اور بڑے بڑے دعوے کررہے تھے۔ لیکن اب تک کے نتائج اور رجحانات نے ہر پارٹی کو کچھ خوش ہونے اور کچھ ماتم کرنے کو دیا ہے۔ خاص طور سے حکمراں کانگریس پارٹی کو زبردست دھکا لگا ہے۔ صرف آندھرا پردیش میں اس کی اشک شوئی کا سامان ہوا ہے۔ گجرات اور راجستھان میں بھی اس کی کارکردگی کچھ اطمینان بخش رہی ہے۔ بقیہ تمام ہی بڑے صوبوں میں کانگریس کو زبردست صدمہ پہنچا ہے۔ کیرالا میں ابتدائی رجحانات کے مطابق کانگریس نہ صرف پارلیمانی انتخاب میں شکست سے دوچار ہے بلکہ کیرالا اسمبلی کے انتخاب میں بھی اس کی ہار تقریبا یقینی اور بائیں بازو محاذ کی حکومت بننا تقریباً طے ہے۔ کرناٹک میں گذشتہ اسمبلی انتخاب والا ہی معاملہ ہے۔ یہاں کے پارلیمانی انتخاب میں بھی کانگریس کو تیسری پوزیشن ملتی نظر آرہی ہے۔

کانگریس کو سب سے بڑا دھچکا تامل ناڈو میں پہنچا ہے جہاں پارلیمانی و اسمبلی حلقوں میں سے کہیں بھی کوئی کانگریسی امیدوار آگے نہیں تھا۔

سنٹرل بھارت میں بھی کانگریس کی کارکردگی اگر گجرات اور راجستھان میں اطمینان بخش رہی ہے تو ابتدائی رجحانات کے مطابق اس کا مدھیہ پردیش اور خاص طور سے مہاراشٹر میں برا حال تھا اسی طرح شمالی ہندوستان میں ہریانہ و پنجاب میں کانگریس شکست کے دہانے پر کھڑی تھی۔ البتہ ہماچل پردیش میں اس نے بی جے پی کو ایک بار پھر زبردست شکست دی ہے۔ بہار اور یوپی کے بالکل ابتدائی رجحانات ہی ابھی تک سامنے آئے ہیں اور وہاں بھی امید کے مطابق کانگریس کا انتہائی برا حال ہے۔ اسی طرح مشرقی صوبوں میں اڑیسہ کو چھوڑ کر، خاص طور سے آسام اور بنگال میں بھی اس پارٹی کی کارکردگی بہتر نہیں رہی ہے۔

یہ بات نوٹ کئے جانے کی ہے کہ کانگریس کو بعض ان ریاستوں میں بھی زبردست شکست کا سامنا ہے جہاں اس کی یا اس کے اتحادیوں کی حکومت ہے مثلاً تامل ناڈو، کیرالا، پنجاب، ہریانہ، مدھیہ پردیش اور آسام وغیرہ۔

بی جے پی، جو خود کو پہلے مرکز کا حکمراں تصور کررہی تھی، ووٹروں نے اسے بھی اس کی اوقات بتادی ہے۔ اب تک کے اندازے کے مطابق شاید یہ پارٹی سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھرے لیکن حکومت بنانے کے لئے ممبروں کی جو تعداد مطلوب ہے اس سے کہیں زیادہ پیچھے ہے۔

کرناٹک پر اس بار بی جے پی نے خصوصی توجہ دی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ کرناٹک جنوب میں اس کے داخلے کا دروازہ ثابت ہوگا۔ دراصل گذشتہ اسمبلی انتخابات میں بی جے پی کی کارکردگی غیر متوقع طور پر اچھی رہی تھی اور یہ کانگریس کو پیچھے چھوڑ کر دوسرے نمبر پر آگئی تھی۔ اسے امید تھی کہ پارلیمانی انتخاب میں وہ جنتادل کو پچھاڑ کر اول نمبر پر آجائے گی۔ لیکن اس کے خوابوں پر پانی پھر گیا ہے۔ اس مضمون کے ضبط تحریر میں لائے جانے تک ۲۳ اعلان کردہ نتائج میں سے اسے صرف ۶ سیٹیں ملی تھیں جبکہ جنتادل کو ۱۳ اور کانگریس کو چار سیٹیں ملی تھیں۔

مہاراشٹر میں البتہ بی جے پی اور شیوسینا اتحاد کو واضح اکثریت ملتی نظر آرہی ہے۔ اسی طرح شاید مدھیہ پردیش میں بھی اس کی کارکردگی بہتر رہے اگرچہ ابھی اس مضمون کے لکھے جانے کے وقت تک، وہاں کے بارے میں یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ گجرات اور راجستھان میں جہاں بی جے پی کی حکومت ہے، اسکی کارکردگی قابل اطمینان نہیں رہی ہے۔ ملک کی مشرقی ریاستوں میں بی جے پی کی موجودگی برائے نام ہے اور وہاں سے اسے زیادہ سیٹیں ملنے کی توقع نہیں ہے۔ البتہ ہریانہ میں یہ اپنے اتحادی ہریانہ وکاس پارٹی کے ساتھ اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کررہی ہے۔

> الیکشن کے نتائج آنے تک مرکز میں حکومت بنانے کے تین دعویدار رہے ہیں۔ کانگریس، بی جے پی اور نیشنل فرنٹ بایاں بازو محاذ۔ مگر ہندوستانی ووٹروں نے ان تینوں ہی دعویداروں کو بحیثیت مجموعی اس معنی میں مسترد کردیا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اتنا صاف ستھرا نہیں ہے کہ اسے اکثریت کا واضح اعتماد حاصل ہوسکے۔

یوپی اور بہار کے ابتدائی رجحانات سے یہی پتہ چلتا ہے کہ بی جے پی کو یہاں اس کی توقعات سے کم سیٹیں مل رہی ہیں۔ سماج وادی پارٹی اور بی ایس پی کی نااتفاقی سے بی جے پی کو امید تھی کہ وہ یوپی میں دوسری پارٹیوں پر جھاڑو پھیر دے گی۔ لیکن ابتدائی رجحانات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی اس امید پر پانی پھر رہا ہے۔ اس تحریر کے لکھے جانے تک ۲ مئی کو جن حلقوں میں انتخابات ہوئے تھے، ان کے رجحانات سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ یہ پارٹی زیادہ سیٹوں پر سبقت لئے ہوئے ہے لیکن کئی سیٹوں پر نقصان ہورہا ہے۔ دراصل ان ۳۳ سیٹوں میں سے ۲۸ یا ۲۹ پر بی جے پی کا قبضہ تھا۔ ان میں سماج وادی پارٹی نے آنولہ کی سیٹ پہلے ہی چھین لی ہے اور کئی دوسری سیٹیں بی جے پی سے چھین لینے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ لیکن بعض دوسرے مقامات پر بی جے پی کو فائدہ بھی مل رہا ہے۔ کل ملاکر بی جے پی کو کم و بیش اتنی ہی سیٹیں ملیں گی، جتنی پچھلی پارلیمنٹ میں تھیں۔

BEHARI VAJPAYEE

P.V. NARASIMHA RAO

PRASAD YADAV

SINGH YADAV

بہار میں بی جے پی اور سمتا اتحاد کو سیاسی و انتخابی پنڈت ۲۰ سے ۲۵ سیٹیں دے رہے تھے لیکن ابتدائی رجحانات اس کی تائید کرتے نظر نہیں آتے۔ لیکن انہیں شاید گذشتہ بار سے زیادہ سیٹیں ملیں۔

نیشنل فرنٹ و بائیں بازو محاذ کو انتخابی پنڈتوں نے جتنی سیٹیں اپنے تجزیوں میں دی تھیں اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہیں اس سے کہیں زیادہ سیٹیں ملیں گی۔ اگرچہ اڑیسہ میں جنتادل کی کارکردگی بہتر نہیں رہی ہے، اسی طرح آندھرا پردیش میں بھی اس کے اتحادی کافی پیچھے ہیں، لیکن کرناٹک اور کیرالا میں اس کی کامیابی سے نیشنل فرنٹ کے حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ دراصل ان دونوں ہی صوبوں میں انہیں انتخاب سے پہلے کی تمام پیشین گوئیوں کے برعکس کہیں زیادہ سیٹیں ملی ہیں۔

بہار میں ممکن ہے جنتادل گذشتہ بار سے کچھ کم سیٹیں حاصل کرے، لیکن اس کی اکثریت برقرار رہے گی۔ اسی طرح یوپی میں بھی وہ اور اس کی اتحادی جماعت سماج وادی پارٹی کچھ نہ کچھ سیٹیں ضرور حاصل کرلیں گی۔ لیکن نیشنل فرنٹ کو سب سے زیادہ تقویت اس امر سے ملی ہے کہ اس محاذ سے نکل جانے والی دو پارٹیاں بھی ڈی ایم کے اور آسام گن پریشد، اس میں دوبارہ شامل ہونے کے لیے تیار ہیں۔ یہ دونوں ہی پارٹیاں تامل ناڈو اور آسام میں علی الترتیب اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کررہی ہیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو نیشنل فرنٹ اور بائیں بازو محاذ کو سیاسی پنڈتوں کی پیشین گوئیوں سے کہیں زیادہ سیٹیں مل جائیں گی۔

> یہ بات نوٹ کئے جانے کی ہے کہ کانگریس کو بعض ان ریاستوں میں بھی زبردست شکست کا سامنا ہے جہاں اس کی یا اس کے اتحادیوں کی حکومت تھی مثلاً تامل ناڈو، کیرالا، پنجاب، ہریانہ، مدھیہ پردیش اور آسام وغیرہ۔

سچ وہی ہے کہ ہندوستانی ووٹروں نے اس بار کسی کو بھی اپنا پورا اعتماد نہیں دیا ہے۔ کرپشن میں ملوث ہر پارٹی کے لئے اس میں ایک بڑا سبق مضمر ہے۔ لیکن ہندوستانی سیاستداں کوئی سبق سیکھنے کے بجائے ہر حالت میں آئندہ مفاد کے بارے میں سوچتے ہیں۔ اس بار بھی یہی ہورہا ہے۔ انتخابی نتائج سے سبق لینے کے بجائے یہ سبھی اس فکر میں مبتلا ہوگئے ہیں کہ نئی سرکار کس کی بنے گی۔ ایک دو دن میں خرید فروخت کا بازار شروع ہوجائے گا اور چشم عالم ایک بار پھر یہ گھناونا منظر دیکھے گی کہ پارلیمنٹ کے ممبر کس طرح خریدے اور بیچے جاتے ہیں اور کس طرح سیاست کے اس تنگے بازار میں اخلاق و اصول کا سودا ہوتا ہے۔

نئی حکومت بنانے کے لئے کم از کم دو سو ستر ممبروں کی حمایت کی ضرورت ہوگی۔ جو صورتحال ابھر کر سامنے آرہی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۲ سو سے کم سیٹیں پانے والی کوئی بھی پارٹی "دیگر" ممبران کی مدد سے بھی شاید حکومت نہ بنا سکے۔ اس لئے تین بڑی پارٹیوں میں سے کسی سے مل کر ہی حکومت بنانا ہوگا۔ لیکن یہاں بڑی دشواری ہے۔ کانگریس، اگر ٹوٹنے سے بچ جاتی ہے تو بی جے پی کا ساتھ نہیں دے گی۔ اسی طرح نیشنل فرنٹ اور بائیں بازو محاذ بھی بی جے پی کے ساتھ حکومت میں شریک نہیں ہوں گے۔ تو کیا کانگریس اور نیشنل ولیفٹ فرنٹ مل کر حکومت بنائیں گے؟ بظاہر اس کا بھی امکان نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ انتخابات کے بعد نہ صرف خرید و فروخت ہوگی بلکہ پارٹیاں ٹوٹیں گی اور نئے اتحاد جنم لیں گے۔ کانگریس اس محاذ پر سب سے زیادہ کمزور نظر آتی ہے۔ نرسمہا راؤ کی قیادت کو لیکر اس میں پہلے ہی بحث چل پڑی ہے۔ اگر وہ خود قیادت سے نہیں ہٹتے تو یا تو انہیں ہٹادیا جائے گا یا پھر کانگریس دو حصوں میں بٹ جائے گی۔ یہ نکلنے والا دھڑا جس کے ساتھ ہوگا اسی کی حکومت بننے کا امکان ہے۔

یہ سب قیاس آرائیاں ہیں جو انتخابی نتائج کے ابتدائی رجحانات پر مبنی ہیں۔ تصویر ووٹوں کی گنتی مکمل ہونے اور پورے نتائج آنے کے بعد پارٹیوں کی سیٹوں کی حتمی تعداد معلوم ہونے کے بعد ہی ابھر کر سامنے آئے گی۔

دو بیگمات کی لڑائی میں جماعت اسلامی کو فائدہ

حکومت سازی کے مرحلے میں جماعت اسلامی بنگلہ دیش ایک اہم کردار ادا کرے گی

بنگلہ دیش کی عبوری حکومت عام انتخابات کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ ایسے ماحول میں فطری طور پر سیاسی پارٹیاں بھی کافی سرگرم ہیں اور ایک طرح سے انتخابات کی تیاریوں میں مشغول ہیں۔ خالدہ ضیاء حکومت کے زوال کے لیے جو دو سالہ جد و جہد ہوئی یا جس کے لیے ان گنت مظاہرے اور ڈھاکہ بند عمل میں آئے، اس سے ملک ابھی پوری طرح نکلا بھی نہیں تھا کہ سیاسی ریلیوں کا دور شروع ہوگیا ہے۔ یہ وقت ہے جب بنگلہ دیش کی مختلف پارٹیوں کی قوت اور آئندہ انتخابات میں ان کی متوقع کارکردگی کا ایک جائزہ لیا جائے۔

بنگلہ دیش میں یوں تو درجنوں پارٹیاں ہیں لیکن ان میں سے چار اہم ہیں۔ خالدہ ضیاء کی نیشنل پارٹی، حسینہ واجد کی عوامی لیگ، سابق صدر جنرل ارشاد کی جاتیہ پارٹی اور جماعت اسلامی۔ گذشتہ پارلیامنٹ میں آخرالذکر سب سے چھوٹی پارٹی تھی لیکن آئندہ انتخابات میں یہ اپنی کارکردگی میں خاطر خواہ اضافہ کرسکتی ہے۔ اس کی کئی وجہیں ہیں۔

حسینہ واجد

پہلی وجہ تو یہی ہے کہ بنگلہ دیش کی دونوں مشہور بیگمات یعنی خالدہ ضیاء اور حسینہ واجد ایک دوسرے سے لڑ کر اچھی خاصی اپنی توانائی صرف کرچکی ہیں۔ ان کی آپسی چپقلش کا جماعت کو براہ راست فائدہ پہونچا ہے جس نے نہ صرف ہمیشہ اعتدال کا راستہ اپنایا بلکہ اپنے کارڈ بھی کافی سوچ بچار کے بعد سمجھ بوجھ کے ساتھ کھیلے۔

دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ پروفیسر غلام اعظم اب پہلے کی طرح پردے کے پیچھے سے نہیں بلکہ اگلے محاذ سے جماعت کی رہنمائی کررہے ہیں۔ واضح رہے کہ پروفیسر اعظم بنگلہ دیش کی آزادی سے ذرا قبل پاکستان چلے گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک انٹرویو میں کھل کر اعتراف کیا ہے کہ وہ بنگلہ دیش کی آزادی کے اس لئے مخالف تھے کہ انہیں ہندوستان کی بالادستی کا اندیشہ تھا مجیب الرحمان نے برسر اقتدار آنے کے بعد غلام اعظم صاحب کی شہریت ختم کردی تھی۔ اس وقت وہ پاکستان میں تھے۔ سالوں بعد انہیں بنگلہ دیش میں اپنی قریب الموت والدہ کو دیکھنے کی اجازت ملی تو وہ پاکستانی پاسپورٹ پر وطن واپس لوٹے اور وہیں رک گئے۔ عوامی لیگ اور اس سے وابستہ دوسرے افسروں نے اس پر بڑا واویلا مچایا۔ مظاہرے کئے اور غلام اعظم صاحب پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کیا۔ ایک عوامی عدالت نے، جس کی کوئی قانونی حیثیت نہ تھی،

جماعت اسلامی بنگلہ دیش کا پرزور مظاہرہ

انہیں پھانسی کی سزا بھی دی، لیکن بنگلہ دیش سپریم کورٹ نے ان کی شہریت بہر حال بحال کردی۔

اپنی شہریت کی بحالی کے بعد غلام اعظم صاحب نے جماعت کی امارت از سر نو سنبھال لی۔ لیکن ان کے مخالفین بھی کافی سرگرم تھے اور اکثر ان کے اجتماعات میں گڑبڑی پیدا کرتے۔ حال ہی میں انہوں نے ایک زبردست ریلی سے خطاب کیا جس میں پہلی بار کوئی گڑبڑ نہیں کی گئی۔ اس ریلی سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جماعت تمام ہی تین سو سیٹوں پر انتخاب لڑے گی

گذشتہ نیشنل اسمبلی میں جماعت کے ارکان بمشکل درجن بھر تھے۔ مگر آغاز میں ان کی پھر بھی اہمیت تھی کیوں کہ خالدہ ضیاء کو کلی اکثریت نہیں ملی تھی اس لئے انہوں نے حکومت جماعت کے تعاون سے تشکیل دی۔ لیکن بعد میں جب عورتوں کے لیے مخصوص سیٹوں کے لیے انتخابات ہوئے تو انہیں ضروری اکثریت حاصل ہوگئی، اور انہوں نے جماعت سے قطع تعلق کرلیا۔ جماعت ان کے اس اقدام پر چراغ پا ہونے کے بجائے اپنے وقت کے انتظار میں رہی۔

جماعت کو اپنی مقبولیت میں اضافہ کرنے کا اس وقت موقع ملا جب تسلیمہ نسرین کے خلاف پورے بنگلہ دیش میں غصہ اور نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ تسلیمہ مخالف ایجی ٹیشن میں جماعت آگے آگے تھی جس کا اسے خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ لیکن جماعت دراصل پہلے ہی سے اپنے کارڈ بڑی عقلمندی سے کھیل رہی تھی۔ ۱۹۹۰ء میں جنرل ارشاد کے خلاف جمہوری تحریک چلی تو جماعت بھی اس میں شامل تھی۔ اسی طرح گذشتہ دو سال سے خالدہ مخالف تحریک میں بھی جماعت شامل رہی۔ اس بار ان کا تعاون عوامی لیگ کی حسینہ واجد کے ساتھ تھا۔ حسینہ واجد پر بنگلہ دیشی سیکولرسٹوں نے پروفیسر اعظم سے تعاون لینے پر اعتراض بھی کیا لیکن وہ خالدہ مخالف تحریک میں جماعت کی افادیت سے آگاہ تھیں اس لیے یہ کڑوا گھونٹ پینے پر مجبور تھیں۔

خالدہ ضیاء

اب صورت حال یہ ہے کہ دونوں بیگمات کی آپسی لڑائی سے جماعت نے فائدہ اٹھا کر اپنا قد کافی اونچا کرلیا ہے اور اپنے اندر تمام پارلیمانی سیٹوں پر انتخاب لڑنے کا حوصلہ پارہی ہے۔ مبصرین کی رائے میں یہ سب جماعت کے امیر پروفیسر غلام اعظم کی سیاسی سوجھ بوجھ کا نتیجہ ہے۔

ایک ایسا شخص جسے ملک کی آزادی کے وقت ملک سے فرار ہونا پڑا تھا اور جس کے خلاف ملک دشمنی کا الزام تھا اور اس بنیاد پر اس کے خلاف مظاہرے ہورہے تھے، وہ اب ملکی سیاست میں ایک اہم کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آئندہ پارلیامنٹ میں جماعت کی سیٹوں میں مزید اضافہ ہوگا۔ اور خالدہ ضیا یا حسینہ واجد کو واضح اکثریت نہیں مل سکی تو حکومت سازی میں جماعت کا رول اہم ہوجائے گا۔

کیا کہتے ہیں ایرانی مجلس کے انتخابی نتائج

عوام نے علماء کے گروہ اور "خادمان تعمیر" دونوں کی حوصلہ شکنی کی ہے

ایک ایرانی خاتون ووٹ ڈالتے ہوئے

ایران میں دو مرحلوں میں ہونے والے انتخابات تقریباً مکمل ہوچکے ہیں۔ لیکن آخری نتیجہ ابھی تک سامنے نہیں آیا ہے کیونکہ بعض حلقوں میں دوبارہ پولنگ ہوگی جہاں سے گڑبڑیوں کی اطلاعات موصول ہوئی تھیں۔ یہ انتخابات ملک کی مجلس یا پارلیامنٹ کے لیے تھے۔ ۱۹۷۹ء میں ایرانی انقلاب کے بعد یہ پانچواں پارلیمانی انتخاب تھا۔

دستور کے مطابق ایران میں انتخاب پارٹی بنیادوں پر نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ شخص جو ایران کے بنیادی اسلامی تصور کو قبول نہیں کرتا یا وہاں کی مذہبی حکومت کا مخالف ہے وہ انتخاب میں امیدوار ہونے کا حق نہیں رکھتا۔ گویا ایک طرح سے انتخاب میں حصہ لینے والوں کا اسلام پسند ہونا ضروری ہے۔ مغرب کو ایرانی جمہوریت کے اس پہلو پر کافی اعتراض ہے۔

سب کے اسلام پسند ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سب ایک ہی نظریے کے حامی ہیں۔ معاشی و خارجہ پالیسی سے متعلق خاص طور سے بظاہر نظریاتی طور پر ان ہم آہنگ لوگوں میں کافی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ جس کی قیادت موجودہ صدر رفسنجانی کرتے ہیں اور جس میں ٹکنوکریٹ کافی تعداد میں ہیں وہ ان دونوں معاملات میں ذرا لبرل نظریہ رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے خود کو حال ہی میں "خادمان تعمیر" کے پرچم کے تحت منظم کیا ہے۔ خادمان تعمیر دراصل لبرل معیشت اور اس ضمن میں مغرب سے ذرا

> خادمان تعمیر دراصل لبرل معیشت اور اس ضمن میں مغرب سے ذرا اچھے تعلقات کے خواہاں ہیں۔ وہ اب آیت اللہ خمینی کے انداز میں مغرب کی سخت تنقید کے قائل نہیں ہیں۔

اچھے تعلقات کے خواہاں ہیں۔ وہ اب آیت اللہ خمینی کے انداز میں مغرب کی سخت تنقید کے قائل نہیں ہیں۔

خادمان تعمیر کے مقابلے میں جو گروہ ہے وہ خود کو جہادی علماء سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ لوگ آیت اللہ خمینی کے سخت حامی ہیں اور ان کی پالیسیوں سے سرمو انحراف کے قائل نہیں ہیں۔ یہ لوگ رفسنجانی کی لبرل معیشت اور اسی ضمن میں مغرب سے تعاون کی ان کی پالیسی کے سخت مخالف ہیں۔ حالیہ انتخاب میں مقابلہ دراصل انہیں دونوں گروہوں کے درمیان تھا۔

ایرانی مجلس کل ۲۷۰ ارکان پر مشتمل ہے۔ مبصرین کے اندازے کے مطابق علماء کو اس بار کافی دھچکا لگا ہے۔ گذشتہ پارلیمنٹ میں اگرچہ انہیں اکثریت حاصل نہ تھی لیکن ہم خیال آزاد ارکان کے تعاون سے وہ صدر کی لبرل معیشت کی پالیسی کے تحت کیے جانے والے اقدامات کو رد کردیتے تھے۔ لیکن شاید نئی مجلس میں وہ ایسا نہ کرسکیں۔ کیونکہ ایک اندازے کے مطابق اس بار انہیں ۲۷۰ میں سے بمشکل ۱۱۰ سیٹیں ملی ہیں جبکہ گذشتہ مجلس میں ان کی تعداد ۱۴۰ تھی۔ رفسنجانی کے حامیوں کو ۷۰ سے ۸۰ سیٹیں ملنے کی امید ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ آزاد ارکان کو کافی اہمیت حاصل ہوگی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کے خیالات خادمان تعمیر سے ہم آہنگی رکھتے ہیں یا آیت اللہ خمینی کے کٹر حامیوں سے۔

نئی مجلس میں اکثریت کسی کو بھی حاصل ہو، علماء کی ایک اچھی خاصی تعداد کی اس میں موجودگی سے لبرل معیشت یا مغرب کے تئیں نرم رویہ اختیار کرنے کی پالیسی اس سے پاس کروالینا آسان نہ ہوگا۔ البتہ ان انتخابات سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ ایرانی عوام کی اچھی خاصی تعداد اپنے ملک کی ان پالیسیوں کی حمایت سے کنارا کش ہوتی جارہی ہے جن کی وجہ سے ایران اقوام عالم میں اکثریکہ وہ تنہا رہ جاتا ہے۔ اگر اس رجحان کو علماء بروقت پڑھ لیں تو یہ ان کے اور ایران دونوں کے حق میں بہتر ہوگا۔

خادمان تعمیر کو تہران کی تیس میں سے صرف ۸ سیٹیں ملی ہیں۔ بقیہ سیٹیں دوسرے صوبوں سے ملی ہیں۔ مبصرین کے خیال میں یہ بات رفسنجانی کے خلاف ان معنوں میں جاتی ہے کہ ملک کے سیاسی، معاشی اور علمی مرکز میں اب بھی ان کے خیالات کو مقبولیت حاصل نہیں ہے۔ اس لئے رفسنجانی یہ دعوی نہیں کرسکتے کہ ان کے معاشی و سیاسی خیالات کو زبردست حمایت حاصل ہوئی ہے۔

دودائیف کی شہادت کے بعد چیچن جاں بازوں کا ایک ہی نعرہ

آزادی یا موت ـــــ اب ظالم روسیوں سے کوئی سمجھوتہ نہیں

جنرل دوخر دودائیف، ۵۲ سالہ چیچن لیڈر، روسیوں کے ایک وعدہ شکن حملے میں "شہید" ہو گئے۔ اس خبر میں بڑی حد تک صداقت ہے۔ اگرچہ بہت سے روسی اس پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ان کے خیال میں یہ چیچن لیڈروں کی ایک چال ہے۔ سچ کچھ بھی ہو، خبروں کے مطابق جنرل دوخر دودائیف ۲۱ اپریل کو ایک گاؤں میں واقع اپنے مرکز سے مراکش کے شاہ حسن ثانی کے ایک نمائندے سے سیلولر فون پر گفتگو کر رہے تھے کہ دو لیزر گائیڈڈ میزائل ان پر آگرے اور وہ شدید طور پر زخمی ہو گئے۔ اسی رات زخموں کی تاب نہ لاکر وہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

حال ہی میں روسی صدر یلتسن نے مراکش سے اپیل کی تھی کہ وہ روس اور چیچنیا کے درمیان امن قائم کرنے میں مدد دیں۔ شاہ حسن ثانی کے ایک نمائندے اسی ضمن میں آجکل روس میں ہیں۔ ایک روسی سفیر ان کا پیغام لیکر سابق چیچن صدر اور اب غالبا شہید جنرل دودائیف کے پاس آئے۔ اس کے بعد وہ اپنے مرکز سے نکل کر کھلے میدان میں آئے تاکہ سیلولر فون سے شاہ حسن ثانی کے نمائندے سے گفتگو کر سکیں۔ گفتگو جاری تھی کہ علاقے میں موجود روسی جہازوں نے دو راکٹ برسائے جس سے دودائیف زخمی ہو گئے اور پھر جانبر نہ ہو سکے۔ بلاشبہ دودائیف کو قتل کرنے کی یہ ایک گھناونی سازش تھی۔ اس سے قبل بھی روس نے بارہا دودائیف کو اس امید پر قتل کرنے کی کوشش کی تھی کہ ان کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد چیچن مسئلے کو حل کرنا آسان ہو جائے گا۔

لیکن دودائیف نے ایسے تمام حملوں کو ناکام بنا دیا تھا۔ حال ہی میں انہوں نے ایک انٹرویو، جو ان کی موت سے ایک ہفتہ قبل ریکارڈ کیا گیا تھا، میں کہا تھا کہ بورس یلتسن ایک بار پھر ان کی جان کے درپے ہیں۔ لیکن اس اطلاع کے باوجود جنرل دودائیف روسیوں سے دھوکہ کھا گئے اور امن کی گفتگو کے بہانے انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا۔ روسیوں کے پلان میں شامل تھا کہ جیسے ہی دودائیف فون سے بات کریں گے لیزر گائیڈڈ راکٹ ان کا کام تمام کر دیں گے۔

> دودائیف کو قتل کرنے کے پیچھے یلتسن کی سوچ کار فرما ہے کہ ان کے منظر نامے سے ہٹ جانے کے بعد یا تو چیچن لیڈر آپس میں لڑ پڑیں گے یا ان کا نیا جانشیں ذرا معتدل ہو گا جو روس سے کسی قسم کے قابل قبول معاہدے پر دستخط کر دے گا۔

جنرل دودائیف ۱۹۴۴ میں چیچنیا میں پیدا ہوئے۔ یہ جنگ عظیم ثانی کے آخری مراحل تھے۔ اس کے بعد روسی ڈکٹیٹر جوزف اسٹالن نے لاکھوں چیچنوں کو ان کے علاقے سے جلاوطن کر کے سائبیریا بھیج دیا جن میں چھوٹا سا بچہ دودائیف بھی شامل تھا۔ دودائیف بچپن ہی سے بہت ذہین تھے۔ انہوں نے ہمیشہ ہر امتحان اول نمبر سے پاس کیا۔ تعلیم کے بعد وہ روسی فضائیہ میں شامل ہو گئے جہاں وہ بڑی کم عمری میں ترقی کر کے ۴۰ برس سے بھی کم عمر میں جنرل ہو گئے۔ وہ روس کی فضا میں رہنے والی فوج کے سربراہ تھے اور نیوکلیر ہتھیار لے جانے والے جہاز کے پائلٹ بھی۔ ۱۹۹۰ میں جب سوویت یونین سے علیحدگی کا رجحان زور پکڑ رہا تھا، دودائیف کے ذہن میں روس سے آزادی کا خیال پہلے ہی سے رہا ہو گا کیونکہ ان کے والدین نے سائبیریا میں انہیں چیچن تاریخ سے ضرور آگاہ کیا ہو گا۔

۱۹۹۱ میں دودائیف ایک انتخاب کے ذریعے چیچنیا کے صدر بنے۔ صدر بننے کے کچھ ہی دنوں بعد انہوں نے چیچنیا کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ ماسکو نے اسے تسلیم نہیں کیا لیکن عملا اس کے خلاف کوئی کارروائی بھی نہیں کی۔ دودائیف تقریبا تین سال تک علیحدہ ہوئے چیچن ریپبلک کے صدر رہے۔ لیکن دسمبر ۱۹۹۴ میں روس نے چیچن بغاوت کو ختم کرنے کے لئے وہاں اپنی فوج بھیج دی۔ آج ۱۶ ماہ ہونے کو آگئے یہ جنگ ختم ہونے کے بجائے ابھی تک جاری ہے جس میں ایک اندازے کے مطابق تیس ہزار سے زائد افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔

☆روسی بربریت کے خلاف ترکی میں مظاہرہ

چیچنیا کی جنگ روس کی سیاست اور معیشت دونوں کے لئے ناسور بن گئی تھی۔ خاص طور سے بورس یلتسن کا سیاسی مستقبل داؤ پر لگا ہوا تھا۔ اسی لئے وہ کسی بھی قیمت پر اس مسئلے کو حل کرنا چاہتے تھے۔ حال ہی میں ماسکو میں، صنعتی ترقی یافتہ ممالک کی کانفرنس ہوئی تھی جس میں انہوں نے اعلان کیا تھا کہ روسی فوجیں چیچنیا سے واپس آرہی ہیں اور وہاں اب جنگ بندی ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ یلتسن جھوٹ بول رہے تھے۔ کیونکہ اس علیحدہ ہونے والی مملکت میں ایک دن کے لئے

باقی صفحہ ۷ پر

"ہم نے لبنان کے شہیدوں کا انتقام لیا ہے"

مصر میں الجماعۃ الاسلامیہ کے دھماکے میں ۱۸ افراد ہلاک ہو گئے

جیل اور پھانسی انتہاپسندی کو ختم نہیں کرتے۔ یہ وہ سبق ہے جو مصری حکومت کو اب ذہن نشین ہو جانا چاہئے۔ مگر مصری حکمراں ابھی بھی ایسے کسی سبق کے لئے تیار نظر نہیں آتے نتیجہ یہ ہے کہ انتہاپسندی مصر میں از سر نو سر ابھار رہی ہے۔

گذشتہ چار سال میں مصری پولیس و فوج اور الجماعۃ الاسلامیہ کے درمیان بعض خونریز جھڑپیں ہوئیں۔ بلاشبہ معصوموں کو، خصوصا غیر ممالک کے سیاحوں کو قتل کرنا غیر اسلامی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الجماعۃ الاسلامیہ کو مصری سماج کی تائید حاصل نہیں تھی، اگرچہ اکثر غیر جانبدار مبصرین یہ کہتے تھے کہ گروپ کی انتہاپسندی کی اصل وجہ حکومت کی ظالمانہ پالیسی ہے۔

چار سال قبل مصری حکومت نے الجماعۃ الاسلامیہ کے خلاف مہم کا آغاز کیا جس کسی پر بھی شبہ ہوا اسے یا تو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا گیا یا پھانسی دے دی گئی۔ درجنوں پولیس تصادم میں مارے گئے۔ ایسی مہم میں پولیس زیادتی کا امکان ہر جگہ ہوتا ہے لیکن مصر میں پولیس کا مقصد زیادتی ہی کرنا ہے۔ ہلاک ہونے والوں یا جیلوں میں بند سینکڑوں لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا جرم کچھ بھی نہیں جس طرح الجماعۃ الاسلامیہ کو زیب نہیں دیتا کہ مصری حکومت کے خلاف اپنی جدوجہد کے ایک حصے کے طور پر غیر ملکی سیاحوں کو قتل کرے اسی طرح مصری پولیس کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ محض شبے کی بنا پر معصوم لوگوں پر ظلم و جبر روا رکھے۔ دراصل ظلم و جبر کی پالیسی انتہا پسندی کو ختم کرنے کے بجائے اسے مزید ہوا دیتی ہے۔

گذشتہ نومبر سے مصر میں الجماعۃ الاسلامیہ نے کوئی بڑا حملہ نہیں کیا تھا۔ اس پر مصری حکام بڑے خوش تھے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے کیونکہ اپنے زعم میں انہوں نے الجماعۃ کا خاتمہ کر دیا تھا۔ بلاشبہ الجماعۃ کی سرگرمیاں مدھم پڑ گئی تھیں جس کی وجہ سے مصر کی سیاحت کی صنعت ایک بار پھر پورے شباب پر تھی۔ سیاح بڑی تعداد میں آرہے تھے کیونکہ گذشتہ نومبر سے پورے مصر میں کہیں بھی ان پر حملہ نہیں ہوا تھا۔ قاہرہ میں تو ایک سال سے غیر ملکی سیاحوں کو نشانہ نہیں بنایا گیا تھا۔

لیکن گذشتہ اپریل میں تشدد ایک بار پھر پھوٹ پڑا۔ یوروپا نامی ایک ہوٹل کے للن میں، بجے کے قریب یونانی سیاحوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ یہ لوگ مذہبی مقامات کی زیارت کے لئے آئے تھے۔ ان میں عورتیں اور بوڑھے شامل تھے۔ اپنے اصل کام سے فارغ ہونے کے بعد یہ لوگ اہم مقامات کی سیر کے لئے ایک بس میں چڑھنے والے تھے کہ اچانک ایک سفید کار آکر رکی جس میں سے تین یا چار مسلح افراد برآمد ہوئے۔ انہوں نے آتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور فائرنگ شروع کر دی۔ بہت سے سیاح اور ہوٹل انتظامیہ کے افراد، جن میں غیر مسلح سیکورٹی گارڈ بھی تھے، پناہ کے لئے ادھر ادھر بھاگے مگر پھر بھی کئی افراد گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس عمل میں بمشکل چند منٹ لگے۔ جب یہ مسلح افراد اپنی کارروائی ختم کر کے واپس گئے تو ۱۸ افراد جاں بحق ہو چکے تھے جن میں ۱۴ خواتین تھیں۔

مسلح افراد تو فرار ہو گئے۔ اس کے فورا بعد وہاں پولیس آگئی۔ پولیس کو تو کچھ ہاتھ نہ آیا۔ لیکن مصری پولیس صرف اصل قاتل کو پکڑنے میں یقین نہیں رکھتی۔ ہر مشتبہ شخص پکڑا اور اس پر تشدد کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس بار بھی یہی ہوا۔ سینکڑوں لوگوں کو مشتبہ قرار دیکر گرفتار کر لیا گیا۔ ہر وہ شخص مشتبہ ٹھہرا جس کے چہرے پر داڑھی ہے۔ اب ان کے ساتھ وہی کچھ ہو رہا ہے جو پہلے ہوتا آیا ہے۔ یعنی ان پر خوب تشدد ہو رہا ہے تاکہ ان میں سے جو بھی جیل سے نکلے وہ نارمل زندگی بسر کرنے کے بجائے انتہاپسندی کا راستہ اختیار کر لے۔

فطری طور پر اس قتل عام سے مصری سماج کو صدمہ پہونچا ہے۔ اخوان المسلمین جو ناصر کے دور سے مسلسل مصری حکمرانوں کے عتاب کا

باقی صفحہ ۶ پر

”وزیر اعظم غیر جانبدار امپائر مقرر کریں پھر دیکھیں گیند کون خراب کرتا ہے“

کیا عمران کی تحریک انصاف اہل پاکستان کو انصاف دے پائے گی؟

تحریک انصاف نام دیا ہے عمران خان نے اس تنظیم کو جو یا تو انہیں پاکستان کا وزیر اعظم یا کوچہ سیاست میں رسوا و ناکام بنا دے گی۔ سیاسی جماعتوں کے نام بالعموم ان کے مقاصد و پروگرام کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ عمران نے اپنی جماعت کا نام تحریک برائے انصاف رکھ کر گویا یہ تاثر دیا ہے کہ وہ محض ایک سیاسی جماعت نہیں بلکہ ایک تحریک برپا کر رہے ہیں جو سماج سے ہر قسم کے ظلم کو ختم کر کے انصاف کا بول بالا کرے گی۔

ایک پر ہجوم پریس کانفرنس میں عمران نے تین گھنٹے تک اپنے عزائم اور پروگرام پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ان کے بقول تحریک انصاف ابھی محض ایک تحریک ہی ہے۔ لیکن اگر مستقبل میں کسی وقت ایسا محسوس ہوا کہ ان کی تحریک کو درکار عوامی حمایت حاصل ہے تو وہ اسے ایک سیاسی جماعت کی بھی شکل دے سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس تحریک کے پلیٹ فارم سے عمران پہلے اپنے سیاسی کیریئر کے لئے فضا ہموار کریں گے۔

پوری پریس کانفرنس کے درمیان عمران نہ صرف پرسکون رہے بلکہ نامہ نگاروں کے سوالات کا ٹھنڈے دماغ سے جواب دے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے اسپتال میں بم دھماکے کے بعد ایک نامہ نگار کو غلط اور اشتعال انگیز سوال کرنے پر طمانچہ مارنے پر غیر مشروط معافی بھی مانگ لی۔

ان کے بقول تحریک انصاف ابھی محض ایک تحریک ہی ہے۔ لیکن اگر مستقبل میں کسی وقت ایسا محسوس ہوا کہ ان کی تحریک کو درکار عوامی حمایت حاصل ہے تو وہ اسے ایک سیاسی جماعت کی بھی شکل دے سکتے ہیں۔

بحیثیت مجموعی عمران نے ایک مغرور شخصیت ہونے کے تاثر کو زائل کرنے میں کافی کامیابی حاصل کی جو ان کے آئندہ سیاسی عزائم کی تکمیل میں بھی مددگار ثابت ہوگی۔

حکومت کی غیر مرکزیت یا یکساں نظام تعلیم، عورتوں کے لئے تعلیم کے مواقع اور ملک سے کرپشن کو ختم کرنا، یہ وہ چند مقاصد ہیں جن کے لئے عمران نے تحریک انصاف کو قائم کیا ہے۔ عمران نے دراصل آٹھ کمیٹیوں کا اعلان کیا ہے جو مختلف مسائل سے متعلق تفصیلی رپورٹ اور ان کا حل پیش کریں گی۔ یہ کمیٹیاں انصاف، حقوق انسانی، حکومت، صحت و تعلیم، معیشت، نوجوانوں کے مسائل، بے روزگاری، خواتین کے مسائل اور ماحولیات سے متعلق ہیں۔ ان کمیٹیوں کے ذمہ یہ کام تفویض کیا گیا ہے کہ وہ موجودہ نظام کی تبدیلی کے لئے متوازن اور قابل عمل تجاویز طے کریں۔ اپنی پریس کانفرنس کے دوران ان تمام ہی موضوعات پر عمران نے کھل کر گفتگو کی۔ لیکن سب سے زیادہ متاثر کن انداز میں انہوں نے موجودہ خستہ حال پاکستانی معیشت پر گفتگو کی۔ اسی ضمن میں انہوں نے اقتدار کے کوچوں میں موجود کرپشن کی زبردست تنقید کی۔ پاکستانی معیشت پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پاکستان غریب ملک نہیں ہے لیکن اس کی معیشت کا

☆ بے نظیر — آنے دو عمران کو سیاست میں

انتظام غلط ہاتھوں میں ہے۔ انہوں نے حکومت کی قرض لیکر معیشت چلانے کی پالیسی کو سخت انداز میں آڑے ہاتھوں لیا اور عہد کیا کہ وہ اب پاکستان کو ایک ایسے مستقبل کی طرف لے جائیں گے جہاں اسے ورلڈ بینک، انٹر نیشنل مونیٹری فنڈ اور دوسرے اداروں سے ہدایات لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔

پریس کانفرنس کے دوران عمران نے سیاستدانوں پر سخت حملے کئے اور الزام عائد کیا کہ انہوں نے قومیائے گئے بینکوں کو لوٹ لیا ہے۔ ان کے بقول سیاستدانوں کو یا ان کے دباؤ کے تحت دوسروں کو دئے گئے ایک سو ارب روپیوں کے قرض کو اب ایسے قرض سے تعبیر کیا جا رہا ہے جس کی ادائیگی ممکن نہیں ہے۔ عمران نے صدر اور وزیر اعظم پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں حالانکہ انہیں اور دوسرے سیاستدانوں کو سادہ زندگی بسر کرنا چاہئے۔ اسی کے ساتھ انہیں ہمیشہ عوام کے درمیان رہنا چاہئے تاکہ وہ آسانی سے ان سے مل سکیں۔ عمران نے مزید کہا کہ امیر و غریب کی آمدنی میں اتنا واضح فرق ہے کہ اس سے ملکی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ اس ضمن میں عمران نے "امیروں" کے کلچر کو بھی آڑے ہاتھوں لیا جو ان کے بقول فی الفور ختم ہو جانا چاہئے، کیونکہ یہ باہر سے برآمد کیا گیا ہے۔

پاکستان کے نظام تعلیم سے بحث کرتے ہوئے عمران نے اسے غیر تسلی بخش بتایا اور کہا کہ اس سے ملک کی ترقی ممکن نہیں ہے۔ انہوں نے خاص طور سے اس بات کی تنقید کی کہ یہاں تین طرح کے نصاب قائم ہیں۔ ایک عربی مدارس میں، دوسرا اردو میڈیم اسکول اور کالجوں میں اور تیسرا انگریزی میڈیم کے اداروں میں۔ عمران نے مطالبہ کیا کہ ان سارے میڈیم کے اداروں کا نصاب ایک ہونا چاہئے۔

ان کا سیاسی ایجنڈا کافی ہمہ گیر ہے۔ اگرچہ اس میں اسلام کی خوبیاں نظر آتی ہیں لیکن پوری کانفرنس کے دوران عمران نے اسلامی نظام کا ذکر نہیں کیا۔

سیاست میں عمران کے داخلے کا استقبال متوقع طور پر ہوا ہے۔ جن کے مفادات کو ان سے خطرہ

☆ عمران اور جمیمہ کینسر اسپتال میں

ہے انہوں نے فطری طور پر ان پر سخت تنقید کی ہے۔ لیکن سارے تنقید کرنے والے ضروری طور پر ان کے دشمن نہیں ہیں۔ بعضوں نے سنجیدگی سے ان کے سیاسی ایجنڈے اور سیاست میں ان کے داخلے اور اس کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔

بے نظیر نے کہا کہ وہ ان کا استقبال کرتی ہیں بشرطیکہ وہ بال کو خراب کرنے کے عمل سے باز رہیں۔ عمران نے فوراً اس کا جواب کرکٹ ہی کی زبان میں دیا کہ وزیر اعظم غیر جانبدار امپائر مقرر کریں اور پھر دیکھیں کہ بال کون خراب کرتا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو کے بعد عمران دوسرے شخص ہیں جو پاکستان کے غریب طبقے میں مقبول ہیں۔ لیکن دونوں کی مقبولیت کے اسباب علیحدہ ہیں۔ بھٹو فوجی آمریت کی مخالفت اور عوامی نعروں کی وجہ سے مقبول ہوئے تھے۔ بہترین مقرر ہونے کے ناطے انہوں نے اس مقبولیت کو ووٹ میں تبدیل کر دیا تھا۔ عمران، دوسری طرف، اس لئے مشہور ہیں کہ وہ ایک عظیم کرکٹر رہے ہیں جن کی قیادت میں قومی ٹیم نے ۱۹۹۲ میں ورلڈ کپ جیتا تھا۔ اس ورلڈ کپ کے بعد انہوں نے خود کو خیراتی کاموں کے لئے وقف کر دیا۔ انہوں نے اپنی والدہ شوکت خانم کی یاد میں پاکستان میں اپنی نوعیت کا پہلا کینسر اسپتال قائم کیا ہے جس میں حال ہی میں ان کے مخالفین نے بم دھماکہ کر کے ۷ افراد کو ہلاک اور درجنوں کو شدید زخمی کر دیا تھا۔ اس اسپتال کے لئے عمران نے فنڈ جمع کرنے کے دوران مغرب و مشرق میں ہر جتن کئے اور اس سے ان کی مقبولیت کا گراف مزید اونچا ہوا۔

لیکن اس وقت عمران کی مقبولیت کو ذرا جھٹکا لگا جب انہوں نے یہودی نژاد جمیمہ (اب حائقہ خان) سے شادی کر لی۔ ان کے نوجوان حامیوں کا ایک طبقہ خاص طور سے اس سے متاثر ہوا تھا۔ مگر حائقہ خان جس طرح خود کو بتدریج پاکستان کے کلچر میں ڈھالتی جا رہی ہیں اس سے نہ صرف وہ بلکہ ان کے شوہر کو نوجوان ایک بار پھر پسند کرنے لگے ہیں۔

الغرض عمران ایک بار پھر پہلے کی طرح مقبول ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ اس مقبولیت کو کس طرح ووٹ میں تبدیل کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے سیاسی فہم اور زبردست تقریری صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ عمران کی سیاسی فہم کے بارے میں کسی کو شبہ نہیں ہے۔ لیکن ان کی تقریری صلاحیت بہت محدود ہے۔ پھر بھی ان کے پاس وقت ہے اور عوامی جلسوں کے درمیان اس میں سدھار آ سکتا ہے، اب تک عمران کے خیراتی کاموں میں مذہبی جماعتیں خاص طور سے جماعت اسلامی اور اس کی ذیلی تنظیم پاسبان تعاون کرتی رہی ہیں۔ اب یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا وہ عمران کے اس سیاسی ایجنڈے کی حمایت بھی کریں گی جس میں اسلامی نظام کا ذکر نہیں ہے۔

سیاست میں عمران کے داخلے پر تبصرہ کرتے ہوئے بے نظیر نے کہا کہ وہ ان کا استقبال کرتی ہیں بشرطیکہ وہ بال کو خراب کرنے کے عمل سے باز رہیں۔ عمران نے فوراً اس کا جواب کرکٹ ہی کی زبان میں دیا کہ وزیر اعظم غیر جانبدار امپائر مقرر کر دیں اور پھر دیکھیں کہ بال خراب کون کرتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر عمران نے پیپلز پارٹی کی انتخابی دھاندلیوں کی طویل تاریخ کو اجاگر کر دیا ہے۔ اس سیاسی نوک جھونک سے دونوں افراد کے درمیان متوقع تصادم کا دروازہ کھل گیا ہے۔ اب دیکھئے اس جنگ میں کامیابی کسے ملتی ہے؟

بقیہ: سیاسی جماعتوں کے خیمے میں مخلوط حکومت کی کھچڑی

اتحاد نہیں کریں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ ۱۹۶۹ میں جب اندرا گاندھی کو حمایت کی ضرورت تھی تو ہم نے حمایت فراہم کی تھی اور انہیں اقتدار میں قائم رکھا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ نیشنل فرنٹ کا خیال انہوں نے پیش کیا تھا اور نہ صرف پیش کیا تھا، بلکہ ۱۹۸۹ میں دہلی میں اس کا قیام بھی کیا تھا۔ اب ایک بار میرے لئے وقت آ گیا ہے کہ میں اہم رول ادا کروں۔ لیکن ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایک بار مطلب پورا ہو جانے کے بعد شمالی ہند کے سیاستداں ان کی پارٹی ڈی ایم کے کو الگ تھلگ کر دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اپنا کردار ادا کرتے وقت وہ یہ بات ان لیڈروں کے سامنے رکھیں گے۔ واضح رہے کہ کروناندھی نیشنل فرنٹ ہی میں تھے لیکن جے للتا کے سوال پر وہ فرنٹ سے الگ ہو گئے اور بس طرح فرنٹ کو جے للتا اور کروناندھی دونوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ کروناندھی شاید چندر شیکھر کو وزیر اعظم بنوانا چاہتے تھے۔

ایک حلقے کا خیال یہ بھی تھا کہ وی پی سنگھ کو پھر وزیر اعظم بنایا جائے۔ حالانکہ وہ کہہ چکے ہیں کہ وہ ۱۹۹۹ سے قبل یہ عہدہ منظور نہیں کریں گے کیونکہ انہوں نے سیاسی سنیاس لے لیا ہے۔

کانگریس کو ۱۵۰ یا اس سے کم نشستیں ملتی ہیں تو راؤ کے بغیر حکومت بنانا آسان ہو جائے گا لیکن اگر کانگریس کو دو سو کے آس پاس سیٹیں ملیں تو پھر انہیں ہلانا کسی کے بس میں نہیں ہوگا

بہرحال اس طرح عام انتخابات کے دوران غیر بی جے پی اور غیر راؤ حکومت کی تشکیل پر تمام سیاسی جماعتوں میں کھچڑی پکتی رہی اور نرسمہا راؤ خاموشی سے تماشہ دیکھتے رہے۔ وہ اپنا کردار ادا کرنے کے لئے وقت کا انتظار کرتے رہے۔

بقیہ: لبنان کے شہیدوں کا انتقام

شکار ہے، اس نے بھی اس قتل عام کی مذمت کی۔ صحافیوں نے اس قتل کے پیچھے مقصد کی تلاش شروع کر دی۔ کچھ لوگوں نے اسے اسرائیلی خفیہ پولیس کی سازش قرار دیا۔ لیکن اکثر کا خیال یہ تھا کہ مسلح افراد نے دراصل یونانی سیاحوں کو اسرائیلی سمجھ لیا تھا۔ مگر یہ قیاس آرائی صرف ایک دن تک جاری رہی۔ دوسرے دن الجماعۃ الاسلامیہ نے اس قتل عام کی ذمہ داری قبول کر لی۔ ایک خبر رساں ایجنسی کو ایک فیکس کے ذریعہ گروپ نے اطلاع دی کہ "یہ کارروائی۔ لبنان میں شہیدوں کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے تھی۔ یہ کارروائی ایک یہودی گروپ کے لئے تھی کیونکہ وہ اکثر اس ہوٹل میں قیام کرتے ہیں۔" اس بیان میں الجماعۃ نے غیر ملکی سیاحوں کو آگاہ کیا کہ وہ مصر سے دور ہی رہیں اور دھمکی دی کہ وہ آئندہ دنوں میں ایسے مزید حملے کریں گے۔

ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے والا مجرم آج بھی آزاد ہے

کیا بین الاقوامی عدالت بوسنیائی مسلمانوں کی آہ بکا سن سکتی ہے

ریٹکو ملادک، ایک خونخوار سرب بھیڑیا ہے جس کے سر پر ہزاروں معصوم مسلمانوں کا خون ہے۔ ہیگ میں واقع اقوام متحدہ کے انٹرنیشنل جنگی جرائم ٹریبونل نے اسے دو بار مجرم قرار دیا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ آزاد ہے۔

ریٹکو ملادک سرب فوج کا کمانڈر ہے۔ اسے ۳۵ دوسرے افراد کے ساتھ جنگی مجرم قرار دیا گیا ہے۔ ڈیٹن معاہدے کے تحت اقوام متحدہ کے فوجیوں پر یہ ذمہ داری بھی ڈالی گئی ہے کہ وہ ایسے جنگی مجرموں کو پکڑ کر انٹرنیشنل ٹریبونل کے حوالے کردیں۔ ملادک کی پناہ سے چند میل دوری پر ایک امریکی بٹالین تعینات ہے مگر وہ اسے پکڑنے کے لئے کوئی کوشش نہیں کررہی ہے۔ البتہ اس نے بعض سخت بیانات جاری کئے ہیں کہ اگر اتفاقاً ملادک ان کے ہاتھ آگیا تو اسے گرفتار کرلیا جائے گا۔

سربرینیقا، اقوام متحدہ کا محفوظ کردہ شہر تھا جہاں ہزاروں مسلمانوں نے سربوں کے مظالم سے بھاگ کر پناہ لے رکھی تھی۔ گذشتہ سال سرب فوج نے اقوام متحدہ کی وارننگ کے باوجود اس پر قبضہ کرلیا اور ہزاروں بے گناہ مسلمان قیدیوں کو تہ تیغ کردیا۔ سربرینیقا کے قتل عام سے بچ جانے والوں کا کہنا ہے کہ ۵۳ سالہ ملادک بذات خود بعض قتل گاہوں پر موجود تھا جہاں اس نے فوجیوں کو مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ ایک بوسنیائی شہری کا تو یہ بھی دعوی ہے کہ اس نے ملادک کو باقاعدہ ایک قتل عام کا مشاہدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا جس کی رپورٹ انگریزی کے موقر ہفت روزہ نیوز ویک کے ۱۵ اپریل کے شمارے میں شائع ہوچکی ہے۔

ملادک کا کہنا ہے کہ اس نے کسی جنگی جرم کا ارتکاب نہیں کیا اور نہ ہی ہزاروں مسلم خواتین کی آبروریزی اس نے یا اس کے فوجیوں نے کی ہے۔ اس کے برعکس وہ الزام لگاتا اور مطالبہ کرتا ہے کہ جو کروٹ یا مسلم جنرل جنگی جرائم کے مجرم ہیں، انہیں گرفتار کیا جانا چاہئے۔

سوال یہ ہے کہ امریکی و یورپی فوجیں جو بوسنیا میں موجود ہیں وہ ریٹکو ملادک کو گرفتار کیوں نہیں کرتیں۔ اقوام متحدہ کے فوجی افسروں کا کہنا

☆ریٹکو ملادک: کیا اسے کبھی سزا ملے گی

ہے کہ ان کی اصل ذمہ داری متصادم فوجوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا اور ان کے بھاری ہتھیاروں کو جمع کرانا ہے۔ جنگی مجرموں کو وہ اسی وقت گرفتار کریں گے جب وہ خود بخود جال میں آ پھنسیں۔ گویا انہیں گرفتار کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔

ریٹکو ملادک اپنی پناہ گاہ میں، جو ایک امریکی بٹالین کی پوزیشن سے صرف ۱۳ کلومیٹر دور ہے، اکثر انٹرویوز میں امریکیوں کا مذاق اڑاتا رہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ امریکی اسے گرفتار کرنے کی غلطی نہیں کریں گے کیونکہ انہوں نے اس کے بقول صومالیہ کے محمد فرح عدید سے اچھا سبق سیکھا ہے۔ یہ دراصل ۱۹۹۳ کے ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے جب صومالیہ میں امریکی فوجیوں نے عدید کو بزور طاقت گرفتار کرنے کی کوشش کی تھی اور ان کے ۱۸ فوجی ہلاک ہوگئے تھے۔

ملادک مسلمانوں کے قتل عام کی وجہ سے سربوں میں کافی مقبول ہے۔ اور امریکیوں کا خیال ہے کہ اگر اسے گرفتار کیا گیا تو کافی خون خرابہ ہوگا۔ اس لئے امریکی اس انتظار میں ہیں کہ یہ جنگی مجرم کوئی غلطی کرے اور گرفتار ہوجائے۔ خود امریکی وزیر دفاع کا کہنا ہے کہ اگلے سال تک ملادک اور سرب صدر رادون کرادزک دونوں اقتدار سے محروم ہوجائیں گے ایسا اگلے دو چار ماہ میں نہ ہوگا لیکن امریکیوں کے یقینی اندازے کے مطابق ایک سال کے اندر ایسا ضرور ہوگا۔ اور اس کے بعد انہیں ہیگ کی انٹرنیشنل عدالت میں حاضر کرنا دشوار نہ ہوگا۔

ایک مسلم خاندان کے فرار کی داستان

فرار، موت سے فرار کی یہ رونگٹے کھڑے کردینے والی اور انسانی ہمت و قوت و برداشت کی ایک انوکھی کہانی ہے۔ گذشتہ سال جب اقوام متحدہ کا اعلان کردہ محفوظ علاقہ سربرینیقا سربوں کے قبضے میں آیا اور وہاں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوا تو ۶ مسلمان پہاڑوں میں کہیں چھپ گئے۔ اس قتل عام کے نو مہینے بعد اب وہ چھپتے چھپاتے بوسنیا کی مسلم حکومت کے علاقے میں پہونچ گئے ہیں۔ یہ گذشتہ نومبر کے بعد پہلے چھ افراد ہیں جو سربرینیقا کے سقوط کے بعد قتل عام سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ان میں دو آدمی اور ۴ نوعمر لڑکے ہیں۔ جب سربوں کا شہر پر قبضہ ہوگیا تو یہ لوگ لیسو ویچی گاؤں میں رہتے تھے۔ اپنے گاؤں میں سربوں کے داخلے سے پہلے ہی وہ قریب کے جنگل میں چلے گئے اور ایک زمین دوز پناہ گاہ اپنے لئے کھودلی۔ یہ پناہ گزیں اس زمین دوز بنکر میں کئی ماہ تک رہے۔ گذشتہ دنوں جب سرائیو کے آس پاس رہنے والے سرب اس علاقے میں آئے اور مسلمانوں کے مکانوں پر قبضہ کرنے لگے تو انہیں محسوس ہوا کہ اب ان سے چھپ کر رہنا بہت مشکل ہوگا۔ اس سے قبل سربوں کی کئی پارٹیاں ان کے پاس سے گزری تھیں مگر ان کا پتہ لگانے میں ناکام رہی تھیں۔ بہرکیف مارچ کے آخر میں انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب بوسنیا کی طرف نکل چلیں۔ انہیں راستے کا صحیح علم نہ تھا بس کچھ شد بد تھی۔ بہرکیف وہ اپنے خطرناک ترین سفر پر چل نکلے۔ ۱۱ دن تک وہ چلتے رہے، یعنی رات میں چھپ چھپا کر چلتے اور دن میں جلے ہوئے مکانات میں پناہ لیتے۔ اس طرح ۱۱ دن بعد وہ ۶ اپریل کو بوسنیائی حکومت کے علاقے میں داخل ہوئے۔ سب سے پہلے انہوں نے ناٹو کا ایک کیمپ دیکھا لیکن وہاں پناہ لینے کے بجائے وہ چلتے رہے اور ایک قصبے میں پہونچے جہاں بوسنیائی پولیس کا ایک اسٹیشن تھا۔ ۲۶ سالہ محمد ساجک کا کہنا ہے کہ انہیں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس پر اعتماد کریں۔ الغرض وہ چلتے رہے اور سب سے پہلے ساجک کی ملاقات اپنی بہن سے ہوئی جو تزلہ میں ایک پناہ گزیں کیمپ میں رہ رہی ہے۔ اپنے بھائی کو اپنے ماں اور باپ سے ملانے لے گئی جو قریب ہی رہائش پذیر تھے۔ جب ان کی ملاقات ہوئی اور ان کے والدین رو پڑے۔ ساجک کے والد عبداللہ نے کہا کہ انہیں اپنے بیٹے کو زندہ دیکھنے کی امید نہیں تھی۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ کسی کار کے سامنے کود کر خودکشی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ مگر اب وہ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ بزدلانہ قدم نہیں اٹھایا۔

☆بوسنیائی مسلمانوں کی ہڈیاں یکجا کرتے کچھ فوجی

> سربرینیقا کے قتل عام سے بچ جانے والوں کا کہنا ہے کہ ۵۳ سالہ ملادک بذات خود بعض قتل گاہوں پر موجود تھا جہاں اس نے فوجیوں کو مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ ایک بوسنیائی شہری کا تو یہ بھی دعوی ہے کہ اس نے ملادک کو باقاعدہ ایک قتل عام کا مشاہدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

اس کی آنکھیں وحشتناک ہوجاتی ہیں اور وہ دلدوز مناظر کو سوچ کر لرز جاتا ہے

سرب بوسنیائی تنازعے کا ایک پہلو بوسنیائی مسلمان یوسف پیکار کے خاندان کے ساتھ پیش آئے واقعے سے بھی سامنے آتا ہے۔ چار سال قبل انہی دنوں پیکار جب اپنے کام پر جارہا تھا تو ایک سربیائی نے تاک کر اس پر گولی چلائی وہ شدید زخمی ہوگیا تھا۔ گولی چلانے والا اسی کے محلے کا ایک غنڈہ تھا زخمی حالت میں جب وہ اپنے گھر پہنچا تو سربیائی شرپسند نے اس کے گھر کو آگ لگادی جب کہ سربیائی پڑوسی اس کے خاندان کو اپنی پناہ میں لیے ہوئے تھے یہاں تک کہ ایک پڑوسی نے تو ان شرپسندوں سے کہا کہ اگر تم خون کی پیاس بجھانے پر تلے ہو تو مجھے مارو لیکن میرے پڑوسی پیکار اور اس کے گھر والوں کی جان بخش دو۔ کئی ہفتے پیکار کا خاندان پڑوسیوں کے گھر میں تہہ خانوں میں چھپتا پھرا لیکن شرپسندوں کا زور بڑھتا گیا اور ان کے دباؤ میں آکر ہمسایوں کی ہمدردی رفتہ رفتہ سرد پڑتی گئی۔ اور ایک دن ایسا بھی ہوا کہ اسی غنڈے نے جس نے پیکار کو گولی ماری تھی ایک گروہ کو لے کر آگیا اور اسے پورے خاندان کے ساتھ اٹھاکر نومینز لینڈ کی طرف لے گیا جہاں گولیوں کی بوچھار میں اس کی ساٹھ سالہ ماں اور چھ سالہ بھانجہ جاں بحق ہوگئے۔

چونکہ نومینز لینڈ پر خار دار اور دھار دار کانٹے لگے رہتے ہیں جان بچانے کی کوشش میں پیکار کے خاندان کے دیگر افراد بری طرح مجروح ہوگئے۔ اس سے پہلے کہ اس خاندان کا صفایا ہوجاتا سربیائی فوج فورا ان کی طرف گولیوں کی آواز سن کر لپکے۔ بوسنیائی سرب فوجی کمانڈر فرچولا نے ان کی پوری طرح حفاظت کی۔ شاید وہ واحد شخص تھا جو جنگ کی تباہ کاری کو شہریوں سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ فرچولا کی پناہ میں رہنے سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ پیکار اور اس کے اہل خاندان کی زندگیاں محفوظ تھیں۔ فرچولا کا جب اس علاقے سے تبادلہ ہونے لگا تو اس نے یہ دیکھتے ہوئے کہ پیکار خاندان کو مزید تحفظ کی ضمانت نہیں دی جاسکتی اس نے انہیں کسی صورت سے لائن پار کرادی اور اس کے بعد وہ تین سال تک محصور سراجیو میں زندگی کے دن کاٹتے رہے۔ جب پیکار اپنے آبائی گاؤں میں واپس لوٹ کر آیا تو دیکھا کہ اس کا مکان نذر آتش ہوچکا ہے۔ آج جب پیکار اپنی ماں اور بھانجے کی قبر پر کھڑے ہوکر بوسنیائی دارالحکومت اور جنگ سے ملے ہوئے سبق پر نظر ڈالتا ہے تو اس کی سمجھ میں یہی آتا ہے کہ فرچولا اور خود اس پر حملہ آور ہونے والے غنڈے زڈرال میں وہی فرق ہے جو ایک فرض شناس سپاہی اور ٹھگ میں ہوتا ہے۔ جنگ کے دوران جنھوں نے ٹھگی کا کردار ادا کیا وہ ہمیشہ سے ٹھگ تھے فرق صرف یہ تھا کہ اپنی بداعمالیوں کے لئے انہیں وسیع میدان مل گیا۔ حالانکہ اسے جنگ کے دوران سربیا میں رکے رہنے کا افسوس ہے لیکن خود اپنے پڑوسیوں پر سے اس کا اعتماد ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔

> کئی ہفتے پیکار کا خاندان پڑوسیوں کے گھر میں تہہ خانوں میں چھپتا پھرا لیکن شرپسندوں کا زور بڑھتا گیا اور ان کے دباؤ میں آکر ہمسایوں کی ہمدردی رفتہ رفتہ سرد پڑتی گئی۔ اور ایک دن ایسا بھی ہوا کہ اسی غنڈے نے جس نے پیکار کو گولی ماری تھی ایک گروہ کو لے کر آگیا اور اسے پورے خاندان کے ساتھ اٹھاکر لے گیا جہاں گولیوں کی بوچھار میں اس کی ساٹھ سالہ ماں اور چھ سالہ بھانجہ جاں بحق ہوگئے۔

بی جے پی اور نرسمہا راؤ کو مرکزی اقتدار سے دور رکھنے کے لئے

سیاسی جماعتوں کے خیمے میں مخلوط حکومت کی کھچڑی پکتی رہی

اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ سیاسی تناظر میں بی جے پی ایک اچھوت پارٹی ہے اور جارج فرنانڈیز و چندر شیکھر کے علاوہ کوئی دوسرا لیڈر یا دوسری پارٹی اس سے اتحاد کو اور اس کی متوقع حکومت کو حمایت دینے کو تیار نہیں تھا۔ چندر شیکھر اور فرنانڈیز نے بھی سیاسی ابن الوقتی اور موقع پرستی کے تحت بی جے پی سے اتحاد کیا۔ تقریباً تمام جماعتوں کی کوشش انتخابی نتائج سے قبل یہی رہی ہے کہ بی جے پی کو اقتدار میں آنے سے کسی بھی طرح روکا جائے۔ اسی طرح کانگریس میں بھی عجیب و غریب صورت حال رہی۔ حوالہ ریکٹ کے سبب یا نرسمہا راؤ سے مخالفت کی بنا پر جو لوگ کانگریس سے نکل چکے ہیں وہ بھی اور جو اس وقت کانگریس میں ہیں مگر راؤ سے خوش نہیں ہیں وہ بھی، کسی بھی قیمت پر دوبارہ راؤ کو وزیر اعظم کی حیثیت سے دیکھنے کے خواہش مند نہیں ہیں۔ ان لیڈروں کی یہی کوشش رہی ہے کہ حکومت تو کانگریس ہی کی بنے مگر قیادت کی باگ ڈور راؤ کے بجائے کسی اور کے ہاتھوں میں ہو۔ اس کے لئے انتخابی نوٹیفکیشن کے اجرا سے پہلے سے ہی کھچڑی پکنی شروع ہوگئی تھی اور پولنگ سے قبل اور پولنگ کے بعد اس میں شدت پیدا ہوگئی اور راؤ کے ارد گرد رہنے والے بھی اور ان سے دور رہنے والے بھی سبھی اپوزیشن کی جماعتوں اور سینئر رہنماؤں سے رابطے میں رہے اور ان سب کی بھاگ دوڑ اور سیاسی ورزش کا ایک ہی مقصد تھا کہ ایک غیر بی جے پی اور غیر راؤ حکومت کا قیام کرنا۔

اس محاذ پر راؤ کے قریبی مانے جانے والے کے کرونا کرن نے بھی کافی بھاگ دوڑ کی۔ اس سمت میں کام کرنے والے تمام لیڈران یہ مان کر چل رہے تھے کہ اگر کانگریس کو ۱۵۰ یا اس سے کم نشستیں ملتی ہیں تو راؤ کے بغیر حکومت بنانا آسان ہوجائے گا لیکن اگر کانگریس کو دو سو کے آس پاس سیٹیں ملیں تو پھر انہیں ہلانا کسی کے بس میں نہیں ہوگا۔ سابق وزیر اعظم اور جنتا دل کے سینئر رہنما وی پی سنگھ نے یہ بیان دیکر کہ اگر راؤ کے بجائے کسی دلت کو وزیر اعظم بنایا جائے تو جنتا دل کانگریس حکومت کی حمایت کرے گا راؤ کی مخالفت کو ہوا دی۔ بائیں بازو کے لیڈروں نے بھی اس کی تائید کی۔ اس کے بعد اس مرحلے پر کوششیں تیز ہوگئیں اور نائب صدر کے۔ آر نارائنن کا نام سامنے آگیا۔ ان کے نام پر اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ دلچسپ بات یہ رہی کہ صدر کا عہدہ سیاسی سازشوں سے پاک سمجھا جاتا ہے اور اس کا ایک وقار ہوتا ہے اس عہدہ کو سیاسی آلودگیوں میں گھسیٹا نہیں جاسکتا لیکن پھر بھی نارائنن نے اس سلسلے میں اپنے نام کے تعلق سے نہ تو کوئی تردید کی نہ ہی تصدیق۔ بتایا جاتا ہے کہ مغربی بنگال کے جیوتی بسو اور لالو یادو بھی اس نام پر متفق ہوگئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ دوسری علاقائی جماعتوں کے لیڈران بھی انہیں وزیر اعظم بنائے جانے پر تیار تھے۔

ادھر ارجن سنگھ این ڈی تیواری، مادھو راؤ سندھیا، جی کے موپنار اور کانگریس سے نکلے ہوئے دوسرے لیڈران بھی راؤ کو الگ تھلگ کرکے کانگریس کی حکومت بنوانے کے لئے جوڑ توڑ میں لگے رہے۔ کرونا کرن اور راجیش پائلٹ گرچہ ابھی بھی پارٹی میں ہیں لیکن وہ بھی راؤ کی جگہ پر کسی اور کو قائد بنانا چاہتے تھے۔ سیاسی مبصرین یہ مان کر چل رہے تھے کہ اگر کانگریس ۱۵۰ نشستوں پر سمٹ گئی تو پھر "اس ضعیف کانگریسی رہنما" کے لئے زبردست مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔ دوسری طرف نیشنل فرنٹ اور لیفٹ فرنٹ کے علاوہ ڈی ایم کے، تیلگو دیشم آسام گن پریشد جیسی جماعتیں بھی راؤ کو پسند نہیں کرتی ہیں۔ سی پی آئی ایم کے ذرائع کا کہنا تھا کہ انہیں ارجن سنگھ کرونا کرن، سندھیا اور پوار کی جانب سے ایسے اشارے ملے ہیں کہ وہ راؤ کو الگ تھلگ کرکے حکومت بنانے کی کوشش کریں ان لوگوں کی پوری حمایت اور تائید حاصل رہے گی۔ جیوتی بسو کا بھی کہنا تھا کہ اگر ضرورت پڑی تو مرکز میں ایک بار پھر مخلوط حکومت بنائی جائے گی۔ اگر نیشنل فرنٹ اور لیفٹ فرنٹ کو اتنی سیٹیں مل جاتیں کہ وہ اپنی بنیاد پر حکومت سازی کرسکیں تو کوئی بات نہیں لیکن اگر اس سے کم سیٹیں ملیں تو مخلوط حکومت کے قیام میں یہ محاذ اہم کردار ادا کرے گا۔
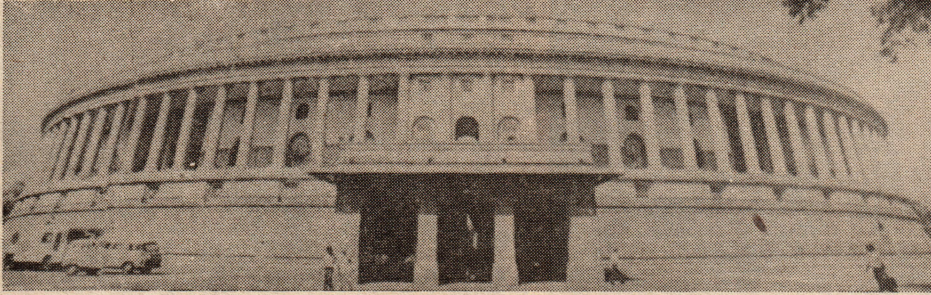
کرونا کرن نے تو اس کا اعتراف بھی کیا کہ وہ ارجن سنگھ، سندھیا اور موپنار کو متحد کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ وقت کی ضرورت ہے کہ ایک غیر بی جے پی حکومت تشکیل دی جائے۔ مذکورہ لیڈروں کا کہنا ہے کہ انہیں کانگریس سے دشمنی نہیں ہے نہ ہی وہ کانگریس مخالف ہیں بلکہ موجودہ قیادت کے کام کرنے کے طریقے کے وہ سخت خلاف ہیں۔ اس سلسلے میں بھی سمجھا جارہا تھا کہ اگر کانگریس کو ۱۵۰ نشستیں ملتی ہیں اور ان میں سے ۲۵ مہاراشٹر سے آتی ہیں تو پھر شرد پوار وزیر اعظم بننے کی کوشش کریں گے۔ ان میں ایک بہت بڑی خوبی جوڑ توڑ کی بھی ہے وہ سیاسی ساز باز اور عوامی سیاست میں ماہر سمجھے جاتے ہیں اور پھر ان کے تعلقات اپوزیشن جماعتوں سے بھی خوشگوار ہیں اس لئے وہ بھی وزیر اعظم بننے کی دوڑ میں شامل ہوسکتے ہیں۔ آخر ایک زمانے میں وہ بھی اس عہدے کے خواہش مند رہے ہیں اور یہ خواہش اب بھی ان کے سینے میں کروٹیں لے رہی ہوگی۔

دوسری طرف تمل ناڈو میں زبردست مقبولیت کے حامل کرونا ندھی کا کہنا تھا کہ وہ راؤ

ایک حلقے کا خیال یہ بھی تھا کہ وی پی سنگھ کو پھر وزیر اعظم بنایا جائے۔ حالانکہ وہ کہہ چکے ہیں کہ وہ ۱۹۹۹ء سے قبل یہ عہدہ منظور نہیں کریں گے کیونکہ انہوں نے سیاسی سنیاس لے لیا ہے۔ بہر حال اس طرح عام انتخابات کے دوران غیر بی جے پی اور غیر راؤ حکومت کی تشکیل پر تمام سیاسی جماعتوں میں کھچڑی پکتی رہی وہ اپنا کردار ادا کرنے کے لئے وقت کا انتظار کرتے رہے۔

باقی: صفحہ ۲ پر

اپنے وفادار ممبران کی تیزی سے گھٹتی ہوئی تعداد دیکھکر

سنگھ پریوار کے سینئر رہنماؤں کی نیندیں حرام ہوگئی ہیں

ناگپور میں واقع آر ایس ایس کے ہیڈ کوارٹر میں زبردست بے چینی ہے۔ اس کے روایتی ممبران کی تعداد تشویش ناک حد تک کم ہوتی جارہی ہے اور نئی نسل اسے منھ نہیں لگارہی ہے۔ آر ایس ایس کے ممبران کی کم ہوتی تعداد نے اس کے بڑے اور سینئر رہنماؤں کو پریشانی میں مبتلا کردیا ہے اور وہ اس پہلو پر سنجیدگی سے غور کرنے لگے ہیں کہ وہ کون سے اقدامات کئے جائیں کہ جن سے نوجوان نسل کو آر ایس ایس اور اس کی شاکھاؤں کی طرف راغب کیا جاسکے۔

سنگھ پریوار کے رہنماؤں کا خیال ہے کہ ٹیلی ویژن کے تئیں نوجوان نسل کی بڑھتی دلچسپی اور اسکول و کالج کے بعد ٹیوشن کے بڑھتے رجحان نے شاکھاؤں میں نوجوانوں کی آمد کم کردی ہے۔ والدین بھی اب اپنے بچوں کو شاکھاؤں میں نہیں بھیجنا چاہتے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ بچے علی الصبح اٹھ نہیں پاتے اور دوسرے پارکوں اور میدانوں میں انہیں مچھروں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ جدید تعلیم نے بھی لوگوں کی توجہ ادھر سے ہٹادی ہے۔ اور شاکھاؤں میں شرکت کرنے والوں کی تعداد بیس پچیس فیصد تک کم ہوگئی ہے۔ اسٹار ٹی وی زی ٹی وی اور کرکٹ نے بچوں اور نوجوانوں کو شاکھاؤں سے متنفر کردیا ہے سنگھ پریوار کے لیڈروں کا خیال ہے کہ ایک بڑی وجہ سیاست میں لوگوں کی دلچسپی بھی ہے۔ لوگ شاکھاؤں میں اب اس لئے نہیں آتے کہ یہاں انہیں کچھ ملتا نہیں جبکہ سیاست آج کل روزی روٹی کا ذریعہ بن گئی ہے۔ پیسہ سب کو چاہئے اور سیاست میں پیسے کی بھرمار ہے۔ آر ایس ایس کے ودربھ کے سکریٹری ولاس پھڈنویس کہتے ہیں کہ آج خون کے عطیات اور آنکھوں کے آپریشن کے کیمپ کے مقابلے میں سیاست اور الیکشن میں لوگوں کی دلچسپی بڑھ گئی ہے۔ اس لئے نوجوان اب سیاست اور الیکشن میں زیادہ حصہ لینے لگے ہیں۔

آر ایس ایس اس زوال کو ختم کرنے اور نوجوانوں کی دلچسپی بڑھانے کے لئے کچھ ایسے پروگرام ترتیب دے رہی ہے جس سے ان کی دلچسپی میں اضافہ ہو۔ مثال کے طور پر شاکھاؤں میں اب کراٹے بھی سکھایا جائے گا اور رامائن و مہابھارت سے متعلق درس اور سوال و جواب کی جگہ پر سائنس اور ٹکنالوجی سے متعلق سوالات شامل کئے جائیں گے۔ لاٹھی اور یوگا کی جگہ پر جدید کھیلوں کو داخل کیا جائے گا اور اب اونچی ذات کے علاوہ پسماندہ طبقات کو بھی شامل کیا جائے گا تاکہ آر ایس ایس پر سے یہ الزام ہٹایا جاسکے کہ وہ صرف اونچی ذات والوں کی جماعت ہے۔

دراصل آر ایس ایس ایک ہندو ثقافتی اور سیاسی جماعت ہے۔ ثقافت کی آڑ میں سیاست کرنا اس کا اہم کھیل ہے۔ اس کے لئے ابتدائی عمر سے ہی لوگوں کو راغب کیا جاتا ہے اور اس کا اہم ذریعہ شاکھائیں ہی تھیں لیکن اب شاکھاؤں میں بھی لوگوں کی دلچسپی ختم ہوتی جارہی ہے۔ دراصل اس کی ایک وجہ اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اب ہندوؤں کو یہ احساس ہوگیا ہے کہ آر ایس ایس ایک منافرت پھیلانے والی جماعت ہے اور فرقہ واریت ہی اس کی بنیاد اور ریڑھ کی ہڈی ہے۔ رام مندر کے نام پر فرقہ واریت پھیلانے اور دو فرقوں کے مابین قتل و خوں ریزی کرانے کی اس کی سازشوں سے عوام آگاہ ہوگئے ہیں۔ مختلف شہروں میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات اور رام مندر کے نام پر سیاست نے سنگھ پریوار کی قلعی کھول دی ہے اور عوام اب اس جماعت کو منھ لگانے کو بھی تیار نہیں ہیں۔ اس صورت حال نے اس پر گھبراہٹ طاری کردی ہے۔ اگر یہی حال رہا تو ایک دن یہ جماعت سکڑ کر علاقائی جماعت بن کر رہ جائے گی اور ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے کا اس کا خواب دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔

ہندوستان مخلوط حکومتوں کے دور میں داخل

اب ووٹ دہندگان کا رول ختم اور نوٹ دہندگان کا رول شروع

تحریر: سہیل انجم

گیارہویں پارلیمنٹ کے انتخابات کے جو نتائج سامنے آئے ہیں ان کے تناظر میں یہ بات بلا جھجک اور بڑی آسانی سے کہی جاسکتی ہے کہ اب ہندوستان مخلوط حکومتوں کے دور میں داخل ہوگیا ہے اور شاید اب وہ زمانہ نہیں رہا جب کوئی ایک جماعت دوسری جماعتوں کا مکمل صفایا کرکے پورے ملک کی واحد سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھرے اور بلاشرکت غیرے مرکزی اقتدار پر قابض ہوجائے۔ ایک زمانہ تھا جب آل انڈیا کانگریس ملک کے گوشے گوشے میں تھی اور اس کے سامنے کسی دوسری پارٹی کا چراغ نہیں جلتا تھا۔ آج صورتحال یہ ہے کہ کانگریس اپنی تاریخ کے بدترین دور سے گزررہی ہے اور یہ پہلا موقع ہے جب اسے اتنی کم نشستیں ملی ہیں۔ ان انتخابی نتائج سے جو دوسرا پیغام پورے ملک میں پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ علاقائی اور ریاستی جماعتوں کو زبردست اہمیت حاصل ہونے جارہی ہے اور ان جماعتوں کے تعاون اور امداد کے بغیر کوئی بھی پارٹی مرکز میں حکومت سازی کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ گویا اب مرکز کے اقتدار کی چابی قومی پارٹیوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ علاقائی اور مقامی پارٹیوں کے ہاتھ میں آگئی ہے۔

لیکن اس صورتحال کا جو تاریک پہلو ہے وہ یہ ہے کہ بے اصولی اور ابن الوقتی کی سیاست کے اس دور میں کرپشن کا زبردست بول بالا ہوگا، حکومت بنانے کے لئے ممبران پارلیمنٹ کی خرید وفروخت کا بازار گرم ہوجائے گا اور آج جس طرح ڈھکے چھپے انداز میں یہ تجارت چل رہی ہے وہ اس بات کا اشاریہ ہے کہ کل کھلے عام خرید وفروخت کی سیاست حاوی ہوسکتی ہے۔ پیسے اور نوٹوں سے بھری اٹیچیاں وزراء اعظم کا فیصلہ کریں گی اور جو پارٹی ممبران پارلیمنٹ کو زیادہ سے زیادہ اٹیچیاں دینے کی صلاحیت کی حامل ہوگی اسی کی حکومت سازی کے امکانات روشن ہوں گے۔

اس وقت تین جماعتیں کانگریس، بی جے پی اور نیشنل فرنٹ ولیفٹ فرنٹ ملک گیر حیثیت کی حامل ہیں۔ لیکن اس الیکشن میں ان میں سے کسی کو بھی واضح اکثریت نہیں ملی۔ تادم تحریر ابھی کسی پارٹی کی حکومت مرکز میں نہیں بنی ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ جو بھی پارٹی حکومت بنانے کی کوشش کرے گی اسے دوسری پارٹیوں کی حمایت لینی پڑے گی۔ اس مرحلے پر آزاد امیدواروں کا رول بھی کافی حد تک بڑھ جائے گا۔ اگر آزاد ممبران اور چھوٹی چھوٹی پارٹیوں کے ممبران کسی ایک پارٹی کی طرف جھک گئے تو اس کے لئے آسانی ہوجائے گی۔ لیکن پھر وہی معاملہ درپیش ہوتا ہے کہ اس مرحلے پر آنے کے بعد اصل فیصلہ ووٹ نہیں نوٹ کرے گا۔ اس کی طرف سابق وزیر اعظم وی پی سنگھ نے بھی اشارہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پولنگ کے دن تک ووٹ دہندگان کا رول تھا اور اب حکومت سازی کے مرحلے پر نوٹ دہندگان اپنا رول ادا کریں گے۔ اب ووٹ دینے والوں کی نہیں نوٹ دینے والوں کی ضرورت ہے۔ اور ابھی تک مینی فیسٹو پر الیکشن لڑا جارہا تھا اب "منی فیسٹو" پر حکومت سازی کی جنگ چلے گی۔ یہ صورتحال انتہائی تشویشناک ہے کیونکہ مستقبل میں اس کے لامحدود منفی اثرات مرتب ہوں گے اور جین حوالہ جیسے بے شمار ریکٹ ظہور پذیر ہونے لگیں گے۔ کیونکہ جو دولت مند حضرات حکومت سازی کے لئے نوٹوں کی بوریاں کھولیں گے وہ حکومت بننے کے بعد اپنی مرضی سے کام کروائیں گے اور جو ممبران پارلیمنٹ ان کی جیب میں ہوں گے وہ ان کی خواہشوں کے احترام کے لئے مجبور ہوں گے۔

اس سے قبل بھی یہاں ایسے حالات دیکھے گئے ہیں کہ صنعت کاروں اور دولت مندوں نے کثیر تعداد میں ممبران پارلیمنٹ کو خرید لیا گویا انہوں نے پارلیمنٹ اور حکومت کو اپنی جیب میں رکھ لیا۔ ایسے حالات میں وہ چھوٹی چھوٹی پارٹیاں جو کسی اصول ونظریہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ ذاتی اختلافات اور نجی مفادات کی بنیاد پر قائم ہوتی ہیں ایک طرح سے پورے ملک کے نظام کو اپنی مٹھی میں کرلیتی ہیں۔ کیونکہ ان کی حمایت سے چلنے والی حکومت کو ہمیشہ یہ خدشہ لاحق رہتا ہے کہ حلیف پارٹیوں نے حمایت واپس لے لی تو کیا ہوگا؟

لیکن اس مخلوط حکومت اور کرپشن کے دور کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ کوئی ایک جماعت ملک پر اپنے فیصلے نہیں تھوپ سکتی، اپنے اصول و نظریات کا غلام نہیں بنا سکتی اور آمریت کی روش پر چلنے کی جرات نہیں کرسکتی۔ وزیر اعظم ڈکٹیٹر نہیں ہوسکتا اس کی کابینہ من چاہے فیصلے نہیں کرسکتی۔ اسے بہرحال عوام کے مفادات کو پیش نظر رکھنا ہوگا اور کوئی بھی بڑا فیصلہ کرنے سے قبل اپنی حلیف جماعتوں کے سربراہوں اور رہنماؤں سے صلاح ومشورہ بھی کرنا ہوگا۔ لیکن اس قسم کی مخلوط حکومتوں میں ہمیشہ یہ خطرہ رہتا ہے کہ پتہ نہیں یہ حکومت کب گرجائے۔ ایسی حکومتوں کے پانچ سال تک چلتے رہنے کے امکانات معدوم ہوتے ہیں اور وسط مدتی انتخابات کی تلوار عوام کے سروں پر لٹکتی رہتی ہے۔ انتخابات میں جس طرح سے پیسے بہائے جاتے ہیں وہ مہنگائی میں اضافے کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ عدم استحکام ملک کا مقدر بن جاتا ہے اور غیر یقینی حالات میں جینا پڑتا ہے۔

اس سلسلے میں اترپردیش کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ جہاں ۱۹۸۹ سے مسلسل انتخابات ہورہے ہیں۔ ۸۹ میں پارلیمانی انتخابات ہوئے اور وی پی سنگھ کی حکومت بنی لیکن وہ ۹۱ء میں گرگئی۔ ۹۱ میں پھر عام انتخابات ہوئے کہ ۹۲ میں بابری مسجد منہدم کردی گئی۔ یوپی کی بی جے پی حکومت توڑ دی گئی اور ۹۳ میں اسمبلی انتخابات ہوئے۔ ملائم سنگھ کی حکومت بنی لیکن وہ اور بعد میں بنی مایاوتی کی حکومت زیادہ دنوں تک نہیں چل سکیں۔ اسی اثنا میں یوپی میں ۹۵ میں دو دو مرحلوں میں بلدیاتی انتخابات ہوئے۔ اور اب ۹۶ میں عام انتخابات ہوئے۔ وہاں اس وقت صدر راج ہے اور اسمبلی انتخابات ہونے ہیں ممکن ہے کہ نئی حکومت کے قیام کے بعد اس کا بھی اعلان کردیا جائے۔ اس طرح یوپی ۸۹ سے مسلسل انتخابات کے دور سے گزر رہا ہے۔ مخلوط حکومتوں کا ایک نتیجہ اس شکل میں بھی برآمد ہوتا ہے اور عدم استحکام عوام کا مقدر بن جاتا ہے۔

کیا دلیپ کمار ہندوستانی مسلمانوں کی قیادت کریں گے؟

نئی دلی کے انڈیا انٹرنیشنل سنٹر لبرل اور جمہوریت پسند افراد کی جماعت اور الائنس فاؤنڈیشن کی دعوت پر دنیائے فلم کے شہنشاہ اور بمبئی کے سابق شیرف یوسف حسین خاں یعنی دلیپ کمار کی آمد اور جگہ جگہ میٹنگوں سے اندازہ ہورہا ہے کہ سیاست اور انتخابی جھگڑوں سے ہمیشہ الگ تھلگ رہنے والے دلیپ کمار نے بمبئی کے فسادات سے اثر قبول کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب وہ ان ساری ہنگامہ آرائیوں کے خاموش تماشائی نہ رہ کر سیدھے میدان میں اتریں گے۔ دہلی میں ان کی تقریروں کے موضوع کا تعلق انتخابی عمل کی نزاکتوں سے تھا۔ اس مہم میں ان کی شریک حیات سائرہ بانو بھی ان کے ساتھ ہیں۔ اپنے مخصوص انداز میں انہوں نے ایک جگہ ان خیالات کا اظہار کیا کہ وہی طاقتیں جنھوں نے تشدد برپا کیا لوگوں کے ذہنوں کو تقسیم کیا اور بڑی تعداد میں جان ومال کے نقصان کا سبب بنیں وہی آج مرکز میں اقتدار ہتھیانے کے درپے ہیں۔

حالانکہ ایک زمانہ تھا کہ وہ نہرویائی اصولوں سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ آج ہرچند کہ وہ سیاست میں آنے کی زبان سے تردید کررہے ہیں لیکن ان کا عمل گواہی دے رہا ہے کہ وہ اس اکھاڑے میں اتر چکے ہیں۔ پچھلے دنوں بمبئی میں بھی وہ سماج وادی پارٹی، جنتادل، ریپبلکن پارٹی آف انڈیا، کام گار اگاڑھی اور دو کمیونسٹ پارٹیوں پر مشتمل تیسری طاقت کے امیدواروں کی حمایت میں انتخابی مہم پر نکلے تھے۔ ایسی قیاس آرائیاں ہورہی تھیں کہ ملائم سنگھ کی سماج وادی پارٹی میں شریک ہوگئے ہیں لیکن انہوں نے اس کی تردید کردی ہے۔ تاہم ان کے قریبی ذرائع کا کہنا ہے کہ اس بارے میں ان کی طرف کوئی اعلان ابھی ہونے ہی والا ہے۔ اس سے بہرحال یہ امکان دھندلا نہیں ہوتا کہ انہوں نے سماج وادی پارٹی میں شمولیت کی ہے۔ شمال مغربی بمبئی سے ایس پی امیدوار اے ایچ رضوی کی حمایت میں دلیپ کمار کی طرف سے انتخابی مہم اس قیاس آرائی کو اثبات کی طرف لے جاتی ہے۔ ان کے حامیوں کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ پر وہ ذرا مخمصے میں ہیں کیونکہ وہ شرد پوار اور بال ٹھاکرے میں سے کسی کو ناراض نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ ان کے عوامی جلسوں میں خاصی تعداد میں لوگ یہ سوچ کر ہی آئے تھے کہ انہوں نے ایس پی کی رکنیت اختیار کرلی ہے۔ ان کے ایک پرستار نے تو یہ بھی کہا کہ اگر کرکٹر عمران خان سیاسی پارٹی کی تشکیل کرسکتے ہیں تو ہندوستانی ہیرو کو کسی سیکولر جماعت کی رکنیت اختیار کرنے میں کیا چیز مانع ہوسکتی ہے۔

جیسا کہ ایس پی کے ایک فعال رکن نے بتایا۔ کہ اپنی ذاتی گفتگو میں بھی دلیپ کمار ان دنوں ملک کی سالمیت اور تحفظ کی باتیں ہی کرتے ہیں اور فرقہ وارانہ طاقتوں کے ہاتھوں اقلیتوں کی تصویر کی جو دھجیاں بکھیری جارہی ہیں اس پر وہ گہرے غم وغصہ کا اظہار کرتے ہیں۔

لوگ خواہ کچھ بھی قیاس آرائیاں کریں یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ دلیپ کمار کی زبان سے اقرار کا کوئی لفظ ادا نہیں ہوا ہے۔ بلکہ ان کا کہنا ہے کہ سیاست میں آنے کے لئے ان پر پہلے بھی دباؤ پڑتا رہا ہے اور وہ پوری شدت سے انکار کرتے رہے ہیں۔ جو کچھ بھی انہوں نے انتخابی ریلی کے موقع پر کہا اس کا مفہوم یہی تھا کہ وہ بشمول ایس پی تمام سیکولر جماعتوں کا ساتھ دیں گے تاکہ فرقہ وارانہ طاقتوں کے چیلنج کا مقابلہ کیا جاسکے۔ انہوں نے یہ وضاحت کی کہ میڈیا کے ایک حلقے نے ان کے اس بیان کو ایس پی میں ان کی شمولیت سے تعبیر کیا۔

بیس سال سے جاری ہے لبنان کے خلاف امریکی جارحیت

کیا حافظ الاسد لبنان کو قربانی کا بکرا بنائے ہوئے ہیں؟

لبنان کے خلاف اسرائیل کی بربریت گذشتہ بیس برسوں سے جاری ہے ۔ حزب اللہ کے ٹھکانوں پر اسرائیلی لڑاکا طیاروں کی گولہ باری عرصے سے ہوتی رہتی ہے ۔ اسرائیل حزب اللہ کو ختم کرنا چاہتا ہے جبکہ حزب اللہ اسرائیلی بربریت کا انتقام لینا چاہتا ہے ۔ لبنان کے عوام کا کہنا ہے کہ وہ ایک ایسی جنگ میں پس رہے ہیں جو ان کی مرضی کے خلاف ہورہی ہے اور جس سے ان کو کچھ لینا دینا نہیں ہے ۔ ہر بار لڑائی میں بے قصور عوام کی جانیں ضائع ہوتی ہیں اس بار بھی ایسا ہی ہوا اور اسرائیلی درندگی کے نتیجے میں تقریبا دو سو بے قصور افراد جاں بحق اور سینکڑوں زخمی ہوگئے ۔ لبنان کے قصبہ قانا میں اسرائیلی بربریت کا عریاں ناچ دیکھا جاسکتا ہے۔

گذشتہ بیس سال سے یہ جارحیت اور بربریت جاری ہے ۔ صابرہ اور شتیلا کیمپ اسی جارحیت کی یادگاریں ہیں۔ اسرائیلی فوجیوں نے ۱۹۸۲ میں لبنان پر حملہ کرکے بیروت کا محاصرہ کرلیا تھا ۔ ۱۹۸۹ میں اسرائیلی کمانڈوز نے حزب اللہ کے لیڈر شیخ عبدالکریم عبید کو اغوا کرلیا اور انہیں حزب اللہ کے ذریعہ پکڑے گئے اسرائیلی فوجیوں کی رہائی کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی ۔ ۱۹۹۲ میں اسرائیلی ہیلی کاپٹروں نے حزب اللہ کے لیڈر شیخ عباس موسوی پر حملہ کرکے انہیں، ان کی اہلیہ اور ۶ سالہ بیٹے کو شہید کردیا ۔ جواب میں حزب اللہ نے اسرائیل پر میزائیل داغ کر ایک پانچ سالہ بچی کو ہلاک کیا۔ جولائی ۹۳ میں اسرائیل نے جنوبی لبنان پر زبردست یلغار کی اور ہزاروں افراد کو انخلا پر مجبور کردیا ۔ امریکہ نے ثالثی کرکے جنگ بندی کروائی ۔ جون ۹۴ میں اسرائیلی بمبار طیاروں نے شام کے کنٹرول والی بیکا وادی میں حزب اللہ کے ایک ٹریننگ کیمپ پر حملہ کرکے ۲۰ افراد کو ہلاک کردیا۔ ۴ مارچ ۹۶ کو حزب اللہ کے گوریلوں نے سیکورٹی زون پر حملہ کرکے چار فوجیوں کو ہلاک اور ۹ کو زخمی کردیا۔ اس طرح ۱۱ اپریل ۹۶ کو اسرائیل نے حزب اللہ اور جنوبی لبنان پر تازہ ترین حملہ کیا جس میں ایک اندازے کے مطابق دو سو کے آس پاس لوگ ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہوچکے ہیں۔

اسرائیلی بربریت دیکھتے دیکھتے ایک نسل ضعیف ہوگئی

۱۶ روز کی بہیمانہ اسرائیلی بمباری کے بعد بالآخر حزب اللہ اور لبنان کے درمیان جنگ بندی ہوگئی ۔ یہ جنگ بندی بظاہر امریکی وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر کی کوششوں سے ممکن ہوسکی ۔ امریکہ کی اسرائیل نوازی اپنی جگہ مسلم ہے جو اس جنگ کے دوران بھی دیکھنے کو ملی ۔ لیکن امریکیوں کو اس بار یہ بھی تجربہ ہوا کہ کم از کم لبنان کے معاملے میں وہ شام کو نظر انداز نہیں کرسکتے ۔ اور اگر کلنٹن انتظامیہ کا مقصد اسرائیل کو ہر محاذ پر امن فراہم کرنا ہے تو اب اسے بھی احساس ہوگیا ہوگا کہ ایسا شام کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

حزب اللہ اور اسرائیل کے درمیان جنگ بندی سے ایک بار پھر واضح ہوگیا ہے کہ لبنان پر اصل کنٹرول شام کا ہے ۔ شام کی ۴۰ ہزار فوجیں لبنان میں موجود ہیں ۔ اسی طرح لبنان کی چالیس لاکھ کی آبادی میں تقریبا دس لاکھ شامی ہیں جو وہاں کام کرکے اپنی کمائی ہوئی رقم واپس شام بھیجتے ہیں ۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو ۱۹۷۰ میں اقتدار میں آنے کے بعد حافظ اسد نے شام پر اپنا کنٹرول بہت گہرا کرلیا ہے ۔ جب بھی لبنان میں کوئی بحران پیدا ہوتا ہے تو لبنانی صدر اور وزیر اعظم دمشق کا رخ کرتے ہیں۔

حالیہ بحران کے دوران بھی یہی ہوا ۔ اگرچہ یوروپی، روسی اور امریکی وزراء خارجہ لبنان کے دارالحکومت بیروت بھی گئے لیکن ان سب کو احساس تھا کہ جنگ بندی کی اصل کنجی حزب اللہ یا لبنانی حکومت کے بجائے دمشق میں بیٹھے حافظ اسد کے پاس ہے ۔ اسی احساس کے تحت امریکہ، جو شام کو دہشت گرد قرار دیتا ہے، بار بار شام کی طرف دیکھتا ہے ۔ مغربی ایشیا میں امن کے قیام کا مسئلہ یا لبنان میں جنگ بندی کا معاملہ درپیش ہو، وارن کرسٹوفر فورا دمشق کا رخ کرتے ہیں ۔ اب تک وہ ۱۹۹۳ سے تقریبا ۲۰ بار دمشق کا دورہ کرچکے ہیں۔

حالیہ بحران کے دوران بھی وارن کرسٹوفر کئی بار دمشق گئے اور جنگ بندی اسی وقت عمل میں آئی جب حافظ اسد نے اس کا اشارہ دے دیا ۔ دراصل حافظ اسد کا حزب اللہ پر پورا کنٹرول ہے ۔ حزب اللہ کو ہتھیار ایران سے شام کے راستے سے پہونچتے ہیں ۔ اس طرح شام جب چاہے ہتھیاروں کی سپلائی روک کر حزب اللہ کو غیر موثر بنا سکتا ہے۔

دراصل شام حزب اللہ کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا رہتا ہے ۔ دیکھنے میں آرہا ہے کہ جب بھی شام اور اسرائیل ایک دوسرے کے خلاف غصے کا اظہار کرنا چاہتے ہیں تو حزب اللہ اور اسرائیل کے درمیان تصادم شروع ہوجاتا ہے ۔ اور جیسے ہی شام جنگ بندی کے لئے کہتا ہے جنگ ختم ہوجاتی ہے ۔ حالیہ بحران کے دوران وارن کرسٹوفر نے اسی لئے شام اور اسرائیل کے درمیان جنگ بندی کے لئے سفر کرتے رہے ۔ اور جیسے ہی انہوں نے جنگ بندی کے لئے منظوری حاصل کی، حزب اللہ اور لبنانی حکومت دونوں نے اس پر صاد کردیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ لبنان کی حکومت اور حزب اللہ دونوں پر نہ صرف شام کا اثر ہے بلکہ وہ دونوں کو موثر انداز میں کنٹرول کرتا ہے ۔ لبنانی پریس عرب دنیا میں سب سے آزاد ہے، یہ اکثر اپنی حکومت کی تنقید کرتا ہے لیکن کبھی حافظ اسد کی نکتہ چینی نہیں کرتا ۔ اسی طرح بیروت میں یہ عجیب منظر بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ اس کی سڑکیں اور دیواریں حافظ اسد کے پوسٹروں سے بھری پڑی ہیں ۔ یہ سب اس حقیقت کے باوجود ہے کہ شامی صدر کبھی اپوزیشن کو برداشت نہیں کرتے ۔ انہوں نے نہ صرف ہزاروں شامیوں کو جیلوں کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا ہے بلکہ سیکڑوں لبنانی بھی ان کی جیلوں میں بغیر مقدمہ چلائے بند کئے گئے ہیں۔

مگر اب بعض لبنانی باشندے اپنی نجی گفتگوؤں میں شام کے خلاف بولنے لگے ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ اس ۴۰ ہزار شامی فوج کی لبنان میں موجودگی سے کیا فائدہ اگر وہ انہیں اسرائیلی حملوں سے بچا نہیں سکتی ۔ بعض اس کے انسانی حقوق کے برے ریکارڈ پر بھی حملے کررہے ہیں ۔ ان دونوں ہی تنقیدوں میں بڑی جان ہے ۔ کیونکہ شام دراصل لبنان اور حزب اللہ کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کررہا ہے ۔ حالیہ بحران کے ذریعہ اس نے امریکہ اور اسرائیل کو یہ پیغام دیا ہے کہ دمشق کے بغیر مغربی ایشیا میں ہمہ جہتی اور پائیدار امن ممکن نہیں ہے۔

حافظ اسد کی یہ پالیسی یعنی لبنان کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے رہنا، بہت دنوں تک نہیں چل سکے گی ۔ پہلے لوگ انہیں ایک ایسے حکمراں کے طور پر دیکھ رہے تھے جو اسرائیل کے مقابلے میں خم ٹھونک کر ڈٹا ہوا ہے لیکن اب انہیں پتہ چل گیا ہے کہ وہ بھی دوسرے عرب حکمرانوں سے مختلف نہیں ہے ۔ اسد کی سخت اسرائیل دشمنی کی وجہ سے لوگوں نے ان کی بہت سی غلطیوں سے چشم پوشی اختیار کررکھی تھی ۔ خود ان کے عوام نے بالعموم اپنے اوپر جبر کو نظر انداز کررکھا تھا ۔ اسی طرح ان کی علویت پر بھی کم ہی لوگ اعتراض کرتے تھے ۔ مگر اب جو یہ احساس عام ہورہا ہے کہ وہ اسرائیل سے براہ راست دو دو ہاتھ کرنے کے بجائے لبنان کو قربانی کا بکرا بناتے رہتے ہیں تو بلاشبہ بتدریج اس سے ان کی ساکھ کو کافی نقصان پہونچے گا۔

ٹائسن کے خلاف دست درازی کا…

جب دولت و شہرت کسی کے قدم چومتی ہے تو اس کی شخصیت کے بہت سارے پہلو اجاگر ہونے لگتے ہیں اور بہت ساری پوشیدہ پرتیں بھی ایک ایک کرکے کھل کر لوگوں کے سامنے آجاتی ہیں ۔ اس صورت میں جہاں اس کے مداحوں اور شیدائیوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوجاتا ہے وہیں اس کے مخالفین کی تعداد بھی بڑھ جاتی ہے ۔ کچھ لوگ حسد اور جلن میں بھی اس کے دشمن بن جاتے ہیں اگر وہ سب کی خواہشوں کے معیار پر پورا نہیں اترتا ہے تو اس کے خلاف سازشیں بھی شروع ہوجاتی ہیں ۔ اور اگر معاملہ اسلام پسندوں و اسلام مخالفوں کے درمیان ہو تو اس کی مخالفت کے تیور ہی دوسرے ہوجاتے ہیں ۔ کچھ یہی حال ہیوی ویٹ چمپئن اور نمبر ایک عالمی مکے باز سابق مائک ٹائسن اور موجودہ عبدالعزیز کا بھی ہے ۔ اس کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آرہا ہے۔

ابھی اسے زنا بالجبر کی پاداش میں تین سال کی سزا کاٹ کر جیل سے باہر آئے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے ہیں ۔ اس نے فرینک برونو سے اپنا ٹائٹل بھی چھین لیا ہے ۔ جس کے سبب امریکہ اور مغربی ممالک میں اس کے تئیں بغض و عناد میں اضافہ ہوگیا ہے ۔ اس کو بدنام کرنے کے ایک سے ایک حربے استعمال کئے جارہے ہیں ۔ مخالفین کو سب سے آسان یہی لگا کہ اس پر ایک اور جنسی دست درازی کا الزام لگادیا جائے چونکہ وہ اس قسم کے کیس میں جیل کی سزا کاٹ چکا ہے اس لئے اس پر لوگ آسانی سے یقین کرلیں گے ۔ بالآخر ایک ۲۵ سالہ بیوٹیشین لاڈونا اگست کی خدمات حاصل کی گئیں اور اس نے ٹائسن پر الزام لگایا کہ اس نے کلک نائٹ کلب کے ایک کمرے میں اس کے ساتھ دست درازی کی ۔ اس کی تفصیل آپ ملی ٹائمز میں پڑھ چکے ہیں۔

صرف الزام لگادینا کافی نہیں ہوتا ۔ الزام کو ثابت کرنا بھی ہوتا ہے اور الزام لگانا جتنا آسان ہوتا ہے اس کا ثبوت فراہم کرنا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے ۔ لاڈونا اگست ٹائسن کے خلاف ثبوت
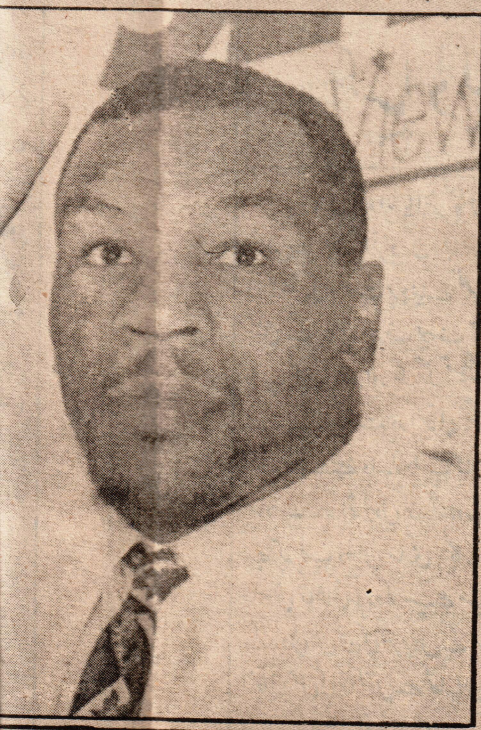
مائک ٹائسن کے خلاف سازشیں ناکام ہو…

فراہم کرنے میں ناکام رہی اور پولیس نے ٹائسن کی فائل بند کردی ۔ اس نے فائنل رپورٹ لگادی کہ اگست کا عائد کردہ الزام بے بنیاد ہے اس لئے ٹائسن کے خلاف کوئی کیس نہیں بن سکتا

اس شمارے کی قیمت پانچ روپے
سالانہ چندہ ایک سو روپے / چالیس امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
۴۹، ابوالفضل انکلیو
جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا
فون نمبر۔ ۶۸۲۷۰۱۸ -- ۶۹۲۶۰۳۰
سری نگر بذریعہ ہوائی جہاز ساڑھے پانچ روپے

نئی حکومت مسلمانوں کے زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کریگی؟

سابقہ حکومت کا جائزہ اور نئی حکومت سے مسلمانوں کی توقعات کا ایک سرسری خاکہ

یہ شمارہ جس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہوگا مرکز میں یا تو نئی حکومت کا قیام ہو چکا ہوگا یا اس کی زوردار تیاریاں چل رہی ہوں گی۔ اس بات سے قطع نظر کہ کون سی جماعت سب سے بڑی پارٹی کی حیثیت سے ابھرتی ہے، کس جماعت کو واضح اکثریت ملتی ہے، کس کی حکومت بنتی ہے یا کون سا محاذ اقتدار کی باگ ڈور سنبھالتا ہے یہ سوال اپنی جگہ پر انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ نئی حکومت کا سلوک کیسا ہوتا ہے، وہ کیسا رویہ اختیار کرتی ہے اور مسلمانوں کے مسائل سے کتنی دلچسپی دکھاتی ہے؟ اس ملک میں اہمیت اس کی نہیں ہے کہ کون سی جماعت برسر اقتدار آتی ہے کیونکہ مسلمانوں کے تعلق سے تمام سیاسی پارٹیاں تقریباً ایک جیسی ہیں یہ آئے یا وہ جائے۔ اس کی حکومت ٹوٹے یا اس کی بنے۔ اس سے مسلمانوں کی صحت پر کوئی بہت زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ البتہ دیکھنا یہ ہے کہ کیا نئی حکومت بھی مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھتی ہے جو گذشتہ حکومت کا تھا۔ کیا موجودہ حکومت بھی سابقہ حکومت کے نقش قدم پر چلتی ہے یا ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کرتی ہے؟

دیکھا جائے تو گذشتہ حکومت مسلمانوں کے لئے انتہائی تکلیف دہ حکومت رہی ہے وزیر اعظم نے مسلمانوں کے ساتھ جو ذلت آمیز رویہ اپنایا وہ قابل مذمت تھا۔ ایک کڑوا گھونٹ تھا جو مسلمانوں کو پینا پڑا ایک میٹھا زہر تھا جو مسلمانوں کو اپنے حلق سے نیچے اتارنا پڑا۔ کیسی کیسی قیامتیں نہیں گزر گئیں مسلمانوں کے سروں سے۔ کیسے کیسے طوفانوں سے دوچار نہیں ہونا پڑا۔ کیسی ذلتیں نہیں برداشت کرنی پڑیں اور کن پر آشوب ادوار کا سامنا نہیں کرنا پڑا؟ ان کی دینی شناخت داؤ پر لگ گئی، ملی وجود خطرے میں پڑ گیا، مذہبی پہچان کے لالے پڑ گئے اور عزت و آبرو کو نیلام پر چڑھا دیا گیا۔

۱۹۹۱ میں راؤ حکومت بنی اور ۱۹۹۲ میں بابری مسجد شہید کر دی گئی۔ وہ بابری مسجد جس کے منبر پر ۱۹۴۹ میں مورتی رکھ کر اسے مندر قرار دیدیا گیا تھا اور جس کے دروازے ۱۹۸۶ میں ہندوؤں کی پوجا کے لئے کھول دئے گئے تھے، دسمبر ۹۲ میں صفحہ ہستی سے مٹا دی گئی۔ مسلمانوں نے آواز احتجاج بلند کی تو ان کی زبانیں تراش دی گئیں۔ مظاہرے کرنا چاہا تو ہاتھ اور پیر قلم کر دیے گئے، چیخنا چاہا تو گلا دبا دیا گیا، آہ و زاری کرنی چاہی تو زبان بندی کا قانون نافذ کر دیا گیا پھر بھی وہ اس ظلم کے خلاف سڑکوں پر نکل آئے تو انہیں انہی کے خون میں نہلا دیا گیا۔ لاشوں کے انبار لگ گئے، یتیموں اور بیواؤں کی تعداد بڑھ گئی، لاتعداد ضعیفوں کے ہاتھ کی لکڑی چھن گئی اور بے شمار معصوموں کے سر سے والدین کا سایہ اٹھ گیا۔ بمبئی، سورت، احمد آباد، بڑودہ، اور نہ جانے کہاں کہاں مسلمانوں پر قیامتیں ٹوٹیں اور انہیں آگ کے دریا سے گذرنا اور خون کے دریا میں نہانا پڑا۔

بابری مسجد کی شہادت کے بعد کئی شہروں کے مسلمان تقسیم ملک سے بھی زیادہ بھیانک حالات سے دوچار ہوئے۔ درندگی کی داستانیں مسلمانان بمبئی کی آنکھوں اور مسلمانان سورت کی نگاہوں میں آسانی سے پڑھی جا سکتی ہیں۔ بمبئی کے مسلمانوں کے لئے مارچ ۹۳ کا بم دھماکہ بھی اذیتوں کے انبار لے کر آیا۔ اس واقعہ میں یک طرفہ طور پر مسلمانوں کی گرفتاریاں ہوئیں اور ٹاڈا کے تحت انہیں جیل بھیج دیا گیا۔ ایسا لگا کہ ٹاڈا قانون مسلمانوں ہی کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ ٹاڈا کے نام پر کیسے کیسے مظالم نہیں توڑے گئے۔ اب بھی جبکہ ٹاڈا ختم ہو چکا ہے اس کا منحوس سایہ بے شمار مسلمانوں کے سروں پر منڈلا رہا ہے۔

نرسمہا راؤ کے ذلت آمیز سلوک کا مسلم پرسنل لا بورڈ کا وہ وفد بھی گواہی دے گا جو ان سے بابری مسجد کے مسئلے پر ملنے گیا اور پھر کبھی نہ ملنے کی دھمکی دیکر واپس آ گیا۔ (یہ بات الگ ہے کہ بورڈ کے ذمہ دار حضرات اس دھمکی کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے۔) راؤ حکومت میں کشمیر کا زخم مزید گہرا ہو گیا۔ کشمیری مسلمانوں پر مظالم اور بڑھ گئے۔ ان کی داستان مظلومیت میں مزید کئی ابواب شامل کر دیے گئے۔ چرار شریف کا دلدوز سانحہ اس کا گواہ ہے، جب جنگجوؤں کی بیخ کنی کی آڑ میں اس مقدس درگاہ کو نذر آتش کر دیا گیا، لاتعداد مسلمانوں کو ہلاک اور بے شمار کو زخمی کر دیا گیا۔ چرار شریف کی وہ درگاہ جو صدیوں سے فرقہ وارانہ میل ملاپ کو پروان چڑھا رہی تھی اور جو عقیدت مندوں کا مرکز تھی، بابری مسجد کی مانند تاریخ کا ایک حصہ بن چکی ہے، صدیوں سے قائم دونوں عبادت گاہیں قصہ پارینہ بن چکی ہیں۔ حکومت و انتظامیہ نے چرار شریف کی طرح درگاہ حضرت بل کو بھی نیست و نابود کرنے کی مبینہ طور پر کوشش کی تھی لیکن جب وہ اس میں ناکام رہی تو معروف شخصیات کا خاتمہ کروا دیا گیا۔ جلیل اندرابی کا بہیمانہ قتل ہو یا شبیر صدیقی کی شہادت، کشمیر حکومت کی پیشانی پر کلنک کے ٹیکہ سے کم نہیں ہیں۔ حکومت نے مسئلہ کشمیر کو سلجھانے کے بجائے الجھانے کی کوشش کی اور جس کا نتیجہ ہے کہ آج کشمیر میں امن و سکون کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

مسلمانوں پر راؤ حکومت کے مظالم اور ناانصافیوں کی ایک پوری دستاویز ہے۔ مذکورہ واقعات اس کی محض جھلکیاں ہیں۔ ورنہ ایسے واقعات کی بھی کمی نہیں ہے کہ قانون توڑنے والے علی الاعلان اس کا اعتراف کرتے رہے اور حکومت خاموش تماشائی بنی رہی۔ بابری مسجد کی شہادت کے بعد شیوسینا کے لیڈر بال ٹھاکرے فخریہ طور پر اور سینہ ٹھونک کر کہتے رہے کہ ان کے شیوسینکوں نے بابری مسجد توڑی ہے حکومت کو جو کرنا ہو کر لے۔ مگر حکومت صرف دھمکیاں دیتی رہی اور اس میں اتنی جرات نہیں ہوئی کہ وہ ٹھاکرے کے خلاف ایک معمولی سا ایکشن بھی لے لے۔

نئی حکومت کے سامنے بھی وہی چیلنجز ہیں اور وہی شب و روز ہیں وہی مسلمان ہیں اور وہی ان کے مسائل ہیں۔ جب بھی کسی ملک میں کوئی نئی حکومت قائم ہوتی ہے تو وہاں کے عوام اس سے کچھ امیدیں باندھتے ہیں کچھ توقعات وابستہ کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ حکومت ان کے مسائل میں دلچسپی لے اور انہیں حل کرے۔ ہندوستان میں بھی یہی کیفیت ہے۔ جس طرح دوسرے ممالک کی اقلیتیں نئی حکومتوں سے پر امید ہوتی ہیں اسی طرح یہاں کی سب سے بڑی اقلیت بلکہ دوسری بڑی اکثریت یعنی مسلمان بھی حکومت کی طرف اس نظریے سے دیکھ رہے ہیں کہ دیکھیں اس کا کیا رویہ ہوتا ہے۔ کیسا سلوک اور کیسا برتاؤ ہوتا ہے۔ آیا نئی حکومت مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے میں کسی سنجیدگی کا مظاہرہ کرتی ہے یا یہ بھی سابقہ حکومت کی مانند ذلت آمیز برتاؤ سے پیش آتی ہے۔ بابری مسجد کے سلسلے میں مسلمانوں کے ساتھ انصاف سے کام لیا جاتا ہے یا نہیں؟ فسادات میں ملوث شرپسندوں کے خلاف کوئی کارروائی ہوتی ہے یا نہیں۔ ٹاڈا میں بند مسلمانوں کو رہائی کا پروانہ ملتا ہے یا نہیں۔ کیا اب بھی مسلمانوں کی دینی شناخت داؤ پر لگی رہے گی، ان کا ملی وجود خطروں میں گھرا رہے گا، ان کی مذہبی پہچان کھوتی چلی جائے گی؟ کیا بابری مسجد کے بعد گیان واپی مسجد اور متھرا کی عید گاہ کو بھی صفحہ ہستی سے نابود کر دیا جائے گا۔ کیا اب بھی فسادات میں مسلمانوں کی عزت و آبرو نیلام کی جاتی رہے گی کیا اب بھی سورت کا دلدوز واقعہ دوہرایا جائے گا۔ کیا پھر بمبئی کے مسلمانوں کے لئے بمبئی خالی کرنے کے حالات پیدا کئے جائیں گے۔ کیا اب بھی مسلمانوں کے مجرم سینہ کھولے گھومتے رہیں گے؟

بہت سارے سوالات ہیں مسلمانوں کے ذہن میں۔ وہ ان سوالوں کے جواب چاہتے ہیں وہ اپنے مسائل پر نئی حکومت کا نظریہ جاننا چاہتے ہیں۔ اس کے موقف سے آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اس کی معلومات چاہتے ہیں کہ کیا نئی حکومت میں بھی مسلمانوں کے ساتھ وہی کچھ ہوتا رہے گا جو سابقہ حکومتوں میں ہوتا رہا ہے۔ کیا مرکز میں قائم نئی حکومت مسلمانوں کے سوالوں کے جواب دیکر انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کرے گی؟

کیا بمبئی کے مسلمانوں کو یہ دن پھر دیکھنے پڑیں گے؟

...ازی کا الزام غلط ثابت ہوا

اس طرح ٹائسن کو دوبارہ جیل بھیجنے کی سازش ناکام ہو گئی۔

لیکن ٹائسن عبدالعزیز کے مخالفین اتنی جلدی تھک ہار کر بیٹھنے والے کہاں ہیں۔ انہوں نے ایک نیا محاذ کھول دیا ہے۔ برطانیہ کے ایک اخبار میں اس کی "جنسی آوارگی" کی داستان شائع ہوئی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ ٹائسن بلا کا جنس زدہ ہے اور خواتین و دوشیزاؤں سے کھیلنے کا اس کا شوق رہا ہے۔ مضمون میں کہا گیا ہے کہ ٹائسن خود اپنی زبان سے اس کا اعتراف کرتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ بقول اس کے اس نے ایک بار ایک ہی دن میں ۲۴ لڑکیوں سے جنسی تعلق قائم کیا تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کا جنسی رشتہ برطانیہ کی معروف ماڈل ناموتی کیمپ بیل سے بھی رہا ہے لیکن اس کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اب اس نے اپنا سابقہ رویہ بدل دیا ہے۔ اب اس کا جھکاؤ خواتین کی جانب نہیں رہ گیا۔ اس کے بارے میں ایک واقعہ پیش کیا گیا ہے کہ ابھی گذشتہ جنوری میں ایک نائٹ کلب میں ایک عورت اس کے سامنے آئی اور بے لباس ہو گئی۔ لیکن ٹائسن نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ اس نے کہا کہ اگر یہ کام تم نے پہلے کبھی کیا ہوتا تو میں اس کی ستائش کرتا لیکن اب میں اس کی ستائش کروں گا کہ تم یہ لباس پھر سے زیب تن کر لو۔

دراصل ٹائسن کے خلاف اس قسم کی باتیں لکھ کر اس کی آڑ میں اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن پروپیگنڈہ کرنے والوں نے جہاں ایک ہی دن میں مبینہ طور پر ۲۴ لڑکیوں سے جنسی رشتہ قائم کرنے کی کہانی بیان کی وہیں انہیں یہ واقعہ بھی بیان کرنا پڑا کہ ٹائسن نے بے لباسی کی ہمت افزائی نہیں کی۔ اگر بالفرض محال مان بھی لیا جائے کہ اول الذکر واقعہ میں صداقت ہے تو اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہ واقعہ ان کے قبول اسلام سے پہلے کا ہے۔ قبول اسلام کے بعد کا واقعہ وہ ہے جس میں اس نے بے لباس خاتون کو لباس پہننے کی ترغیب دی۔ گویا ٹائسن کی آڑ میں اسلام کو بدنام کرنے کا سلسلہ جاری ہے اور ٹائسن کو کسی دوسرے تیسرے الزام کے لئے تیار رہنا چاہیے کیونکہ ان کے اور اسلام کے مخالفین اتنی جلدی ہار ماننے والے نہیں ہیں۔

...خلاف سازشیں ناکام ہو گئیں

چائنیز مسلم ایسوسی ایشن کی قابل ذکر خدمات

چین اور تائیوان میں اسلام قبول کرنے کا سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے

اس وقت چین اور تائیوان میں زبردست کشیدگی ہے اور گزشتہ دنوں تو جنگ کی صورتحال بھی پیدا ہو گئی تھی تاہم جمہوریہ چین کے تائیوانی مسلمانوں کو آئینی طور سے بھرپور مذہبی آزادی حاصل ہے۔ یہاں کی حکومت نے نہ صرف مسلمانوں کے فریضہ حج کی ادائیگی کے جذبے کی حوصلہ افزائی کی ہے بلکہ اس سلسلے میں قانونی مراحل طے کرنے مثلاً سعودی حکومت سے ویزا کے حصول اور سفر کے انتظامات کی سہولت فراہم کرنے میں بھی پوری مدد کی۔ حکومت چینی مسلم ایسوسی ایشن کی مدد سے گذشتہ پچاس سال سے سرکاری حج ڈیلی گیشن کے لیے مناسب مسلم نمائندوں کا انتخاب کرتی رہی ہے۔ حال ہی میں جدہ میں تائپی کے اقتصادی وثقافتی نمائندگی کے مرکز کے ڈائرکٹر اور مسز لن چن سوئن کی طرف سے دیئے گئے ایک استقبالیہ میں حج ڈیلی گیشن کے ۸۱ سالہ سربراہ علی وانگ لی چی نے بتایا کہ اس سال جمہوریہ چین کے ڈیلی گیشن میں ۲۶ افراد شامل تھے جن میں دو عورتیں بھی تھیں۔ حاجی لی چی نے یہ بھی بتایا کہ حج مشن کی تشکیل تائپی میں قائم چائنیز مسلم ایسوسی ایشن کی مدد سے کی جاتی ہے۔ موسم حج کی شروعات سے دو ماہ قبل یہ ایسوسی ایشن حج کی سرگرمیوں کی نگرانی اور تنظیم سے متعلق ضروری تیاریاں کرنے لگتی ہے نہ صرف ادائیگی حج بلکہ سعودی حکام اور سعودی عرب میں چینی باشندوں سے ملاقاتیں بھی ان تیاریوں کا حصہ ہوتی ہیں۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ کیا کوئی شعبہ یا بیورو براہ راست حکومت کے کنٹرول میں کام کرتا ہے حاجی لی چی نے کہا کہ چونکہ جمہوریہ چین کا آئین مذہبی آزادی کی ضمانت دیتا ہے، جملہ مذہبی معاملات کی انجام دہی حکومت ہی کرتی ہے اور تائیوان کی صوبائی حکومت کے شعبہ شہری امور اور تائپی اور کاؤشینگ کی شہری حکومتوں کے براہ راست زیر نگرانی تین شعبے آتے ہیں۔ یہ تمام شعبے مذہبی جماعتوں اور گروہوں کی ہر طرح سے مدد کرنے کے لیے ہمہ وقت ضروری وسائل سے آراستہ رہتے ہیں۔ تاہم چائنیز مسلم ایسوسی ایشن کے کندھوں پر ذمہ داری زیادہ ہے کیونکہ مسلم اکثریت شمال تائپی اور جنوب کاؤشینگ میں آباد ہے۔ آج تائیوان کی چھ لاکھ مسلم آبادی کے لئے پانچ مساجد ہیں اور جیسا کہ حاجی لی چی نے بتایا چھٹی مسجد زیر تعمیر ہے۔ بوسنیا اور دنیا کے دیگر گوشوں میں مسلم کشی پر چینی مسلمانوں کے احساس کی ترجمانی کرتے ہوئے موصوف نے کہا کہ دنیا کے مسلمانوں کی طرح انہیں بھی اس المیے پر گہرے رنج و غم کا احساس ہے اور وہ بوسنیائی مسلمانوں کے دکھ درد پر ان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

چائنیز مسلم ایسوسی ایشن نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ تمام جنگ اور آفات سے متاثر افراد کے لیے چندہ جمع کرنے کی ایک مہم چلاتی ہے۔ ملک کے اندر اور بیرونی ممالک میں چینی مسلمانوں سے رابطہ قائم رکھنے کی غرض سے ۱۹۲۶ء میں اوور سیز چائنیز افیرز کمیشن کا قیام عمل میں آیا تھا جس کا مقصد بیرون ملک مقیم چینی شہریوں کی سلامتی اور تحفظ کی ضمانت دینا تھا۔ حاجی صاحب سے یہ معلومات بھی حاصل ہوئیں کہ چائنیز مسلم ایسوسی ایشن غیر ممالک میں مقیم چینی شہریوں سے ایک اور طریقے سے بھی رابطہ رکھتی ہے اور اس کا اہم وسیلہ ہیں کتابیں اور مختلف مطبوعات۔ سی ایم اے کی معروف ترین کتاب لسان الحق یا "چین میں اسلام" جو مفت تقسیم کی گئی چین کے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے میں بہت کارآمد ثابت ہوئی ہے۔ ایسوسی ایشن کو رابطہ عالم اسلامی کہ مکہ اور دیگر اسلامی تنظیموں سے جو مالی امداد موصول ہوتی ہے اس سے وہ ملک کے مختلف گوشوں میں اسلامی تعلیمات کے تحفظ اور فروغ کی ذمہ داری انجام دیتی ہے۔ اس سے مسلمانوں کو اسلام کی بنیادی معلومات حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔

چائنیز مسلم ایسوسی ایشن اسلام کی اشاعت کا کام بھی کرتی رہتی ہے اور اس کوشش کے نتیجے میں مشرف بہ اسلام ہونے والے اشخاص کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اسلامی موضوعات پر سماجی اور ثقافتی سمینار، میٹنگوں اور لکچروں کے انعقاد کے ذریعے بھی چینی مسلمانوں کی یہ تنظیم یہاں کے مسلمانوں کو ایک شیرازے میں پروئے رکھنے میں مصروف ہے جو انہیں یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ شناخت سے محروم نہیں ہوئے ہیں۔

حاجی لی چی کے بیان کے مطابق تائیوان کے دو مسلمان طالب علم رابطہ عالم اسلامی کے وظیفے پر مدینہ کی جامعہ اسلامیہ میں زیر تعلیم ہیں تائیوان کے مسلمان طالب علم اسلامی تعلیم کے حصول کے لئے اردن اور دیگر اسلامی ممالک کا رخ بھی کرتے ہیں۔ اپنے نصاب کی تکمیل کے بعد وطن واپس آکر وہ تائیوانی مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے ہفتہ وار درس کا اہتمام کرتے ہیں۔

چین کے مسلم طلبا درس لیتے ہوئے

☆چین کا حج وفد

تائیوان کی چھ لاکھ مسلم آبادی کے لئے پانچ مساجد ہیں اور جیسا کہ حاجی لی چی نے بتایا چھٹی مسجد زیر تعمیر ہے۔ بوسنیا اور دنیا کے دیگر گوشوں میں مسلم کشی پر چینی مسلمانوں کے احساس کی ترجمانی کرتے ہوئے موصوف نے کہا کہ دنیا کے مسلمانوں کی طرح انہیں بھی اس المیے پر گہرے رنج و غم کا احساس ہے اور وہ بوسنیائی مسلمانوں کے دکھ درد پر ان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔

بقیہ: وہ اظہار محبت پر بے نیازی دکھاتی ہے

کر کوئی ایسا شخص آئے جس کا دین اور اخلاق تمہارے مطابق ہو تو اس سے شادی کر دو تاکہ زمین پر کوئی فتنہ و فساد نہ پھیل سکے۔

مجھے پورا یقین ہے کہ جن تین لڑکیوں نے یہ شکایت تحریر کی ہے ان سے کوئی فساد نہیں پھیلے گا کیونکہ وہ اللہ سے ڈرنے والی ہیں۔ ہاں اس کا اندیشہ ضرور ہے کہ باپ دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ اٹھائے گا۔ یعنی یہ کہ وہ بیٹیوں کے احترام اور محبت سے محروم ہو جائے گا اور موت کے وقت یہ سوچے گا کہ آخرت میں جب اس سے اس معاملے میں پوچھا جائے گا تو وہ کیا جواب دے گا۔ لڑکیوں سے یہ کہنا ہے کہ اللہ نے آپ تینوں کو ایمان عقل اور علم کی دولت سے نوازا ہے۔ صبر کا دامن تھامے رکھیں اور اپنی بات صاف صاف والد کے سامنے بیان کر دیں۔ اگر کہنے میں جھجک ہو تو لکھ کر مطلع کریں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ایسے شخص کی وساطت سے جو والد پر اثر انداز ہو سکے اور ان کے نزدیک محترم اور صائب الرائے ہو اپنی بات والد تک پہنچائیں۔ اگر والد پھر بھی شادی کے لیے آنے والے پیغامات مسترد کرتے رہیں تو پھر کسی معتبر شخص کو اپنا ولی بنایئے جو آپ کی شادی کے معاملات طے کر سکے۔ اس سے پہلے یہ کریں کہ کسی بینک میں اپنی تنخواہ کا کچھ حصہ جمع کرتی رہیں جس سے باپ کو اندازہ ہو کہ آمدنی کا ایک ذریعہ بند ہو گیا ہے۔ تاہم محبت و احترام اور تعاون کا سلسلہ بند نہ ہو۔ ان پر یہ واضح کر دیں کہ آپ لوگوں کی تنخواہوں میں سے ان کو شادی کے بعد بھی رقم ملتی رہے گی گویا کہ جو پیسے والد کو ملتے تھے اس کا تعلق شادی ہونے یا نہ ہونے سے نہیں ہے بلکہ باپ اور بیٹی کے درمیان الفت و احترام سے ہے یہ بھی بتا دیں کہ آپ تینوں کو ان سے محبت ہے۔ انشاء اللہ پریشانی دور ہو جائے گی۔

بقیہ: حجاب کے حکم نے مسلم عورتوں کی آزادی سلب کر لیا ہے

انداز کی ہے کہ ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ عام عورتوں سے کہیں بلند تھا کیونکہ وہ پوری امت کے لئے مثال اور معلمات کی حیثیت رکھتی تھیں جس کی گواہی خود قرآن کریم نے دی ہے۔ استعماری قوتوں کی طرف اپنے میلان کا اظہار مرنیسی نے خود ہی کر دیا ہے جب وہ حضرت عمر پر انسانی حقوق پر قدغن لگانے کا الزام رکھتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ "حجاب کے حکم نے مدینہ میں آزادی اور جمہوریت کے مختصر سے عروج کا خاتمہ کر دیا اور یہ استعماری قومیتیں ہی تھیں جنھوں نے مسلم ممالک کو انفرادی آزادی اور آزادی نسواں کے سوال پر غور کرنے کی دعوت دی۔ عورتوں کے مسائل اور آج ایک مختصر سے کپڑے کو جسے حجاب کہتے ہیں اور جسے انسانی حقوق کے حریف مسلم شناخت کی روح سے تعبیر کرتے ہیں۔ جمہوریت پر ہونے والے تمام مباحث میں مرکزی اہمیت حاصل ہو گئی۔"

حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کے زمانے میں عورتیں باوقار لباس پہنتی تھیں اور نہ صرف یہ کہ گھر کی چہار دیواری میں رہیں بلکہ قادسیہ اور یرموک جیسے معرکوں میں شریک بھی ہوئی ہیں اور یہ واقعات ایسے ہیں کہ ان سے تاریخ اسلام کا رخ پھر گیا کہ جس کے بعد اسلام دنیا کی اہم طاقت کئی صدیوں تک بنا رہا۔

بقیہ: اسی رات کلمہ پڑھ کر قبول اسلام کا اعلان

جمال سے حسد کرنے یا اسے اپنے لیے خطرہ محسوس کرنے کے بجائے تعریفی نگاہوں سے دیکھتی ہیں۔ جب میں گھر سے باہر نکلتی ہوں تو میں اپنے سر پر روایتی اسکارف باندھتی ہوں اور لمبا کوٹ پہنتی ہوں۔ پہلے تو اس میں ذرا دقت ہوئی۔ میں مغربی تہذیب کی پروردہ ہوں جہاں جاذب نظر بنے رہنے کی کوشش پر خاص زور دیا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ تصنع مجھ سے دور ہوتا گیا اور میں سادگی اور پاکیزگی سے قریب تر آتی گئی۔ مجھے یہ جان کر از حد خوشی ہوئی کہ میں سڑک پر چلتے ہوئے اب پہلے سے زیادہ محفوظ ہوں کیونکہ لوگ مجھ پر سیٹیاں نہیں بجاتے اور میرے جسم کے خطوط سے اندازے نہیں قائم کرتے۔ اب میں صرف دلبستگی کا سامان نہیں ہوں۔ اسلام نے عورت کو خاص وقار بخشا ہے۔

بقیہ: ہندوؤں کی زمینیں خریدنے پر مسلمانوں کو دھمکی

مسلم تاجروں کے ذریعے منظم انداز سے چلائی جا رہی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یا تو ہندو عورتیں مسلمان بن جائیں یا ہمیشہ کے لئے برباد ہو جائیں۔ رپورٹ میں یہ بھی بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ بمبئی میں جب آر ڈی ایکس کی بڑی کھیپ آئی تھی تو مسلمانوں نے انہیں اتروانے میں مدد دی تھی جبکہ یہ بات ریکارڈ میں ہے کہ ساحل پر سرکاری افسران اور ڈیوٹی پر تعینات غیر مسلم پولیس والوں نے ایسا کیا تھا اور کئی افسران و پولیس والے معطل بھی ہو چکے ہیں لیکن اخبار نے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے

رپورٹ میں یہ بھی ہے کہ "بمبئی گوا نیشنل ہائی وے پر کئی مقامات پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کہیں سے کوئی فقیر آتا ہے کسی جگہ چادر یا رومال بچھا کر نماز پڑھتا ہے دھیرے دھیرے اس کی نماز میں لوگوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور ایک دن اچانک وہاں درگاہ ابھر آتی ہے۔ پھر ایک چھوٹا سا مکان، درگاہ کے ارد گرد احاطہ اور پھر ان کی جارحیت بڑھ جاتی ہے۔" حالانکہ درگاہوں کو یوں پیدا کر دینا تو واقعی غلط ہے اور مسلمانوں کو ان حرکات میں ملوث نہیں ہونا چاہیے لیکن ایسے واقعات ہندوؤں میں زیادہ ہوتے ہیں اکثر ایسی خبریں آتی ہیں کہ فلاں مقام پر فلاں دیوتا نے اوتار لے لیا ہے یا فلاں جگہ فلاں دیوی کا مندر ہے۔ مورتیاں بھی کثیر تعداد میں اچانک برآمد ہو جاتی ہیں۔ لیکن ان پر سنگھ پریوار کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ بہر حال مہاراشٹر کے مغربی ساحل پر مسلمانوں کی مضبوط ہوتی مالی پوزیشن اور طاقت نے آر ایس ایس نواز لوگوں کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا ہے۔ ایک دن ان کی بوکھلاہٹ اس علاقے کے امن و امان کو تباہ و برباد کرنے کی وجہ بھی بن سکتی ہے۔

بحرین حکومت کے خلاف سڑکوں پر خواتین کا سیلاب اُمڈ پڑا ہے

کیا اس سیلاب میں موجودہ حکومت خس و خاشاک کی مانند بہہ جائے گی؟

معاصر صحافت کے کالم میں ہم اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبارات کے قلم کاروں کے نظریات وخیالات سے واقف ہوسکیں۔ (ادارہ)

بحرین اپنی آزادی کے بعد کچھ عرصے کے لئے یعنی ۱۹۷۰ کی دہائی کے آغاز میں ایک جمہوری ملک تھا۔ جمہوری اس معنی میں کہ یہاں ایک منتخب پارلیمنٹ تھی۔ بحرین کے حالیہ بحران کی جڑ یہی پارلیمنٹ ہے۔ دسمبر ۱۹۹۴ میں کچھ لوگوں نے جس میں شیعہ سنی سبھی شامل تھے حکمراں الخلیفہ خاندان سے ادب واحترام کے ساتھ مطالبہ کیا کہ تحلیل شدہ اسمبلی اور دستور کو بحال کردیا جائے۔ اس کے جواب میں حکمراں خاندان نے مطالبہ کرنے والوں کو سبق سکھانے کی پالیسی اختیار کرلی۔ بحرین کی آبادی صرف پانچ لاکھ ہے۔ لیکن امریکہ اور برطانیہ کے لئے یہ ایک اہم ملک ہے۔ امریکہ کے پانچویں بحری بیڑے کا ہیڈکوارٹر یہیں واقع ہے۔ برطانیہ کی فضائیہ کا ایک اڈہ بھی یہاں ہے۔ اس طرح مغرب کے نقطہ نظر سے بحرین میں سیاسی استحکام ضروری ہے۔ جو سردست وہاں نہیں پایا جاتا۔ اس صورتحال کے لئے صرف خلیفہ خاندان ہی نہیں مغرب بھی ذمہ دار ہے۔

اب کالج کی طالبات بھی احتجاج کرنے لگیں۔ بحرین یونیورسٹی میں برقعہ پوش لڑکیوں نے احتجاج کا انوکھا طریقہ ڈھونڈ نکالا۔ وہ اپنے کلاس میں شور مچاتیں اور اساتذہ کو پڑھانے نہ دیتیں۔ نتیجہ میں یونیورسٹی اپریل ۱۹۹۵ میں کئی ہفتوں کے لئے بند کردی گئی تھی۔

مغرب خود کو ہمیشہ جمہوریت کے علمبردار کے طور پر پیش کرتا ہے لیکن اس کی، خصوصاً امریکہ کی دوستی عموماً آمروں اور ظالم حکمرانوں سے ہوتی ہے۔ بحرین کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ امریکہ نے اپنے ہیڈکوارٹر اور برطانیہ نے اپنے فضائی اڈے کی خاطر الخلیفہ خاندان کو اپنے عوام کی خواہشات کو ظالمانہ انداز میں دبانے کی چھوٹ دے رکھی ہے۔

لیکن ظلم انتہا پسندی کو جنم دیتا ہے۔ بحرین میں یہی کچھ ہورہا ہے۔ پہلے جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ ادب سے کیا گیا تھا۔ جسے حقارت سے ٹھکرادیا گیا۔ اب لوگ سڑکوں پر مظاہرے کررہے ہیں۔ آتش زنی ہورہی ہے۔ بم پھینکے جارہے ہیں جس سے جانی ومالی نقصان ہورہا ہے۔ حکومت نے جواباً ۲ ہزار سے زائد افراد کو گرفتار کرلیا ہے۔

بلاشبہ بحرین کے موجودہ بحران میں شیعہ عالموں کا بڑا ہاتھ ہے۔ بحرین میں شیعوں کی اکثریت ہے۔ لیکن معاشی اعتبار سے وہ پسماندہ ہیں۔ حکومت کھلم کھلا ان کے خلاف امتیاز برتتی ہے۔ اس کے خلاف آواز اٹھانا گویا فطری تھا۔ لیکن اس احتجاج میں اب صرف شیعہ ہی شامل نہیں ہیں بہت سے ممتاز سنی بھی شامل ہیں۔ حالیہ اطلاعات کے مطابق خواتین بھی بغرض احتجاج سڑکوں پر نکل آئی ہیں۔ آغاز میں صرف تعلیم یافتہ اور متوسط طبقہ کی خواتین سیاسی حقوق کا مطالبہ کررہی تھیں۔ لیکن جیسے جیسے حکومت کے مظالم بڑھتے گئے ویسے ویسے ہر طبقے کی عورتیں اس احتجاج میں شامل ہوتی گئیں۔ احتجاجی خواتین میں اب برقعہ پوشوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔

دسمبر ۱۹۹۴ میں دستوری جمہوریت کے احیاء کی درخواست پر جن ۱۴ لوگوں نے دستخط کئے تھے ان میں ایک خاتون بھی تھیں جن کا تعلق ایک ممتاز سنی خاندان سے ہے۔ یہ خاتون بحرین یونیورسٹی میں پروفیسر تھیں۔ ان کے اس اقدام کے بعد حکومت نے انہیں نوکری سے سبکدوش کردیا اور اب وہ جلاوطنی کی زندگی بسر کررہی ہیں۔ ایسے حکومتی اقدامات کے خلاف جب احتجاج مزید بڑھا تو حکومت نے سینکڑوں نوجوانوں کو گرفتار کرلیا۔ صورتحال کو دیکھتے ہوئے پچاس خواتین نے اپنے دستخطوں سے ایک مفاہمتی قسم کا میمورنڈم حکومت کو دیا جس میں انہوں نے احتجاجیوں سے تشدد کا راستہ ترک کرنے اور حکومت سے ان سے بات کرنے کی درخواست کی۔ اس میمورنڈم پر دستخط کرنے والی خواتین میں سنی بھی تھیں۔ یہ سبھی تعلیم یافتہ، ڈاکٹر، دانشور، وکیل اور سول افسر تھیں۔ حکومت نے ان خواتین کی معقول درخواست پر کان دھرنے کے بجائے الٹا ان سب سے فرداً فرداً تحریری معافی کا مطالبہ کیا۔

☆ بحرین کی خواتین سڑکوں پر

جن خواتین نے ایسا کرنے سے انکار کیا انہیں ان کی نوکریوں سے برخاست کردیا گیا۔

لیکن حکومت کے ان ظالمانہ اقدامات نے مزید خواتین کو احتجاج میں شامل کردیا۔ اب کالج کی طالبات بھی احتجاج کرنے لگیں۔ بحرین یونیورسٹی میں برقعہ پوش لڑکیوں نے احتجاج کا انوکھا طریقہ ڈھونڈ نکالا۔ وہ اپنے کلاس میں شور مچاتیں اور اساتذہ کو پڑھانے نہ دیتیں۔ نتیجہ میں یونیورسٹی اپریل ۱۹۹۵ میں کئی ہفتوں کے لئے بند کردی گئی تھی۔ صرف تعلیم یافتہ خواتین اور طالبات ہی نہیں اب تو احتجاج میں گھروں میں کام کرنے والی عورتیں بھی شامل ہوگئی ہیں۔ جب حکومت نے سینکڑوں احتجاجیوں کو گرفتار کیا تو نہ صرف جیلوں میں ان پر تشدد کیا گیا بلکہ بہتوں کی ان کے اہل خاندان کے سامنے پٹائی کی۔ ظاہر ہے گھریلو عورتیں بھی اس کے بعد اپنے والدین، شوہروں، بھائیوں اور بیٹوں پر ظلم وتشدد کے خلاف میدان میں کود پڑیں۔ انہوں نے وزارت داخلہ کے سامنے کئی مظاہرے کئے۔ انہوں نے علی الاعلان دوسری خواتین سے احتجاج میں شامل ہونے کی درخواست کی۔ اطلاعات یہ بھی ہیں کہ بعض خواتین نے پولس پر اور غیر ملکی کام کرنے والوں پر پتھر پھینکے ہیں ان واقعات کے مطابق پولیس نے ان خواتین کی ان کے شوہروں اور اہل خاندان کے سامنے پٹائی کی ہے۔

مگر اس سارے ظلم وتعدی کے باوجود احتجاج میں کمی نہیں واقع ہورہی ہے۔ تشدد اور آتش زنی میں اضافہ ہورہا ہے۔ مزید برآں جہاں پہلے محض پرانی دستوری جمہوریت کے احیاء کا مطالبہ ہورہا تھا، اب وہاں باقاعدہ حکمراں خاندان کو ہٹا کر ایک اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔

مگر اس سارے ظلم و تعدی کے باوجود احتجاج میں کمی نہیں واقع ہورہی ہے۔ تشدد اور آتش زنی میں اضافہ ہورہا ہے۔ مزید برآں جہاں پہلے محض پرانی دستوری جمہوریت کے احیاء کا مطالبہ ہورہا تھا، اب وہاں باقاعدہ حکمراں خاندان کو ہٹا کر ایک اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔ حکومت ان واقعات کے پیچھے ایران کا ہاتھ بتاتی ہے۔ لیکن اس کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ حکومت کے مطابق بعض قیدیوں نے اعتراف کیا ہے کہ ان کی تربیت ایران نواز گروپوں نے کی ہے۔ لیکن جیلوں میں جس قسم کا تشدد ہورہا ہے اس کے پیش نظر حکومت کے اس دعوے میں دم نہیں ہے۔ بلاشبہ اسلامی ریاست کا مطالبہ کرنے والے زیادہ تر افراد شیعہ ہیں۔ محض ان کے شیعہ ہونے کی وجہ سے ان کو ایران نواز کہنا اور اس بہانے ان پر ہر قسم کا ظلم روا رکھنا نہ تو انصاف ہے اور نہ ہی صحت مند پالیسی۔ بحرین کی حکومت کے لئے بہترین مشورہ یہی ہے کہ احتجاج کے مزید انقلابی رخ اختیار کرنے سے پہلے اس کی معتدل قیادت کے ساتھ مذاکرات کرے اور کسی نہ کسی سطح پر جمہوریت کو بحال کرنے کے ساتھ نوجوانوں کے درمیان سے بے روزگاری ختم کرنے کے لئے اقدامات کرے۔ صرف یہی پالیسی بحرین کو موجودہ بحران سے باہر نکال سکتی ہے۔

حق رائے دہی کے مطالبے کے لئے کویتی خواتین نے تحریک شروع کردی ہے

کویت کی خواتین جنرل اسمبلی کے انتخابات میں حق رائے دہندگی کا شدت سے مطالبہ کررہی ہیں اور اکتوبر ۹۶ میں ہونے والے انتخابات میں رائے دہندگان کی فہرست میں اپنے ناموں کی شمولیت کے لئے جی توڑ مہم چلارہی ہیں۔ تحریک نسواں کی ایک فعال اور معروف کارکن للوا القطامی کے بیان کے مطابق کویتی خواتین کا ایک وفد شامیہ کے میئر سلیمان علی العثمان سے ملا تھا اور ان سے فہرست رائے دہندگان میں ان کے نام کی شمولیت اس علاقے کے تیسرے حلقے کے تحت کرنے کی درخواست کی تھی۔ تاہم درخواست یہ کہہ کر مسترد کردی گئی تھا کہ انتخابی قوانین کی دفعہ عورتوں کو رائے دہندگی کا حق نہیں دیتی۔ موصوفہ نے یہ بھی بتایا کہ کویت میں خواتین کی تحریک اگرچہ سست رفتاری سے ہی سہی ۱۹۷۰ سے چل رہی ہے اور گذشتہ پانچ ماہ سے اس میں تیزی آگئی ہے۔

خواتین انقلابیوں کے ایک وفد نے کویتی ولی عہد شیخ سعد ال عبداللہ السلام الصباح سے بھی اسی درخواست کے ساتھ ملاقات کی تھی اور موصوف نے ان کی درخواست کو ٹھکرادیا تھا۔ وہاں یہ ضرور انہوں نے کہا کہ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب عورتوں کو حق رائے دہندگی مل جائے گا اور وہ قومی اسمبلی کے انتخاب میں شرکت کرسکیں گی۔ جیسا کہ مسز قطامی کا منصوبہ ہے وہ کویتی ولی عہد سے مل کر اس معاملے کو آگے بڑھانا چاہتی ہیں اور اس سلسلے میں وہ ممبران پارلیمنٹ سے بھی گفتگو کریں گی۔ ان کے شوہر بھی ممبر پارلیمنٹ ہیں۔ ابھی گذشتہ سال ان کی تحریک کو آٹھ سے دس ممبران کی حمایت حاصل نہیں تھی لیکن آج ایسے ممبران کی تعداد بڑھ کر ۲۲ تک پہنچ گئی ہے۔ اس طرح نیشنل اسمبلی کے اندر تحریک نسواں کی پوزیشن واضح ہوہی گئی ہے اب حکومت کو اس معاملے میں اپنے موقف کا اعلان کرنا ہے۔

مسز قطامی نے یہ دعویٰ کیا کہ کویت میں ملازمت میں کام کرنے والی عورتوں کی تعداد کل آبادی کا ۳۰ فیصد ہے اور یونیورسٹی کی ملازمتوں میں ۵، فیصد۔ اس لئے ایسی صورت میں انہیں حق رائے دہندگی سے محروم رکھنا حکومت کے لیے ممکن نہ ہوسکے گا۔

مسز قطامی نے یہ دعویٰ کیا کہ کویت میں ملازمت میں کام کرنے والی عورتوں کی تعداد کل آبادی کا ۳۰ فیصد ہے اور یونیورسٹی کی ملازمتوں میں ۵، فیصد۔ اس لئے ایسی صورت میں انہیں حق رائے دہندگی سے محروم رکھنا حکومت کے لیے ممکن نہ ہوسکے گا۔ ایک سرکاری ادارے سے شائع رپورٹ کے مطابق اگرچہ کویت میں لڑکیوں کے لئے پہلا اسکول ۱۹۳۰ سے پہلے قائم نہ ہوسکا لڑکے اور لڑکیوں دونوں کو تعلیم کے یکساں مواقع حاصل ہیں۔ آج بہت سی تجارت پیشہ کویتی خواتین نجی کمپنیوں کی مالک ہیں اور تجارت کے شعبوں میں تیزی سے داخل ہورہی ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر، ٹیچر، نرس، سوشل ورکر، انجینئر، اور سائنٹسٹ کی حیثیت سے ملک کی محنت کشوں کی فوج میں بھی اضافہ کررہی ہیں۔ کئی خواتین ایسی ہیں جنہوں نے اعلیٰ سرکاری منصب بھی حاصل کیے ہیں جیسے زمبابوے کی سفیر، کویت یونیورسٹی کی ریکٹر اور وزارت تعلیم کی انڈر سکریٹری۔

پھر سلادیتی ہے اس کو مولوی کی ساحری

موقر جریدہ "ملی ٹائمز" ۱۶ تا ۳۰ اپریل ۹۶ میں بصیرت افروز مقالہ بعنوان "یہی شیخ حرم ہیں جو چرا کر بیچ کھاتے ہیں......" بغور پڑھا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ

خواب سے بیدار ہوتا ہے کوئی مسلم اگر
پھر سلادیتی ہے اس کو "مولوی" کی ساحری!
(ڈاکٹر اقبال)

مسلم ووٹ کے سوداگروں کا رونا کہاں تک روا جانے؟ مسلمانوں کے خمیر و ضمیر میں تو غلامی کا بیج بودیا گیا ہے۔ ہمارے نام نہاد علماء کا کہنا ہے کہ کسی بھی ملک کی برسر اقتدار جماعت کی محکومی و غلامی مسلمانوں پر لازم اور ضروری ہے! کیا انہوں نے قرآن پڑھا نہیں ہے؟ حضرت موسی فرعون مصر کے زیر سایہ پھولے پھلے اور پروان چڑھے۔ لیکن عوام کی بھلائی کی خاطر ظالم کو دھکے دیکر تخت و تاج سے محروم کردیا جو عین اسلام ہے! سچ پوچھے تو ہم میں سے اکثر لوگ زندہ جاوید حی قیوم خدا کے کلام کو چھوڑ کر اور مردوں کے اقوال پڑھ پڑھ کر مردے ہو چکے ہیں: (القرآن) اے ایمان والو! اللہ کا فرمان قبول کرلو جبکہ رسول خدا تمہیں پکارتے ہیں کہ تمہیں حیات جاودانی بخشیں.... (انفال)

واضح ہو کہ طاغوت کے معنی ہر وہ غیر قرآنی نظام ہے جو انسانوں کو اللہ کی محکومیت سے ورغلا کر انسانوں کے سایہ عاطفت میں رہ کر ماتحت ہونا سکھاتا ہے۔ اسی کا نام ابلیسی نظام ہے۔ جس میں ہر وہ شخص جماعت یا قوم جو دوسروں کو فریب دے کے، یعنی جو دوسروں کے علم و فہم سے زیادہ علم و عقل اور قوت و طاقت رکھے، اور اسے اپنے فائدہ اور مقاصد کے لئے استعمال کرنا جانے، نہایت ہی چالاک سیاست داں تصور کیا جاتا ہے! چنانچہ دنیا کی ہر حکومت طاقت کی دوڑ میں اپنے حریف سے آگے نکلنے کی سعی کررہی ہے۔ تاکہ سیاست اور قوت فراہم کرکے دوسرے انسانوں کو اپنا محکوم بنائے۔ یہ اس کی جائز حدود سے تجاوز ہے۔ کیونکہ کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کرنے اور اسے اپنی اطاعت کرانے کا حق حاصل نہیں ہے۔ افسوس! صد افسوس! آج ہماری قوم خود اپنی رہنمائی کے لئے نور ہدایت قرآن سے بہرہ یاب اور سیراب نہیں، تو بھلا دوسروں کو مشعل راہ کیا دکھلائے گی؟

مظفر حسین (خطیب مسجد) بازار، حاجی گلی۔ مدھوپور (دیوگھر) بہار

کشمیری مسلمانوں پر مظالم

آپ کے اخبار میں پچھلے ایک دو رسالوں میں کشمیر کے متعلق مضامین پڑھے بہت ہی پسند آئے۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ کشمیر میں فوج کے ہاتھوں ہوتے ظلم و ستم کی داستان جو پچھلے چھ سالوں میں رقم کی گئی ہے اپنے اخبار میں قسط وار چھاپیں۔ محترم میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ ہم لوگوں پر کیسے ظلم کیے جارہے ہیں۔ میں آئی ایس کالج سرینگر کا طالب علم ہوں۔ کالج میں کلاس کے دروازے پر سی۔ آر۔ پی۔ ایف کا بنکر ہے۔ آنے جانے کی اجازت، اوپر اور نیچے جانے کی اجازت یہاں تک کہ پیشاب، پاخانہ کرنے کی اجازت نہ مانگنے پر پٹائی پڑتی ہے۔ ان سات سالوں میں کیا کچھ نہیں ہوا ہے۔ بیٹے کے سامنے ماں کی عزت لوٹی گئی، باپ کے سامنے بیٹی کی عزت نیلام کی گئی، ماں باپ کے سامنے بیٹے کو بکرے کی طرح ذبح کیا گیا۔ آگ لگا کر چھوٹے بچوں کو اس میں جھونک دیا گیا۔

مہربانی کرکے اپنے اخبار میں زیادہ سے زیادہ مسلم دنیا کی خبریں ہی دیا کریں۔ میرے کسی بھائی نے ایک مراسلہ بھیجا تھا کہ آپ کھیلوں پر بھی ایک کالم دیا کریں میں بھائی جان سے کہنا چاہتا ہوں کہ عالم کفر جو گندہ کھیل عالم اسلام کے ساتھ اس وقت کھیل رہا ہے اس کو پڑھو اور سمجھو پھر اس کے خلاف صف آرا ہو جاؤ۔

بلال احمد۔ سرینگر

مسلم سرگرمیوں کا کالم

میں شروع سے ہی ملی ٹائمز کا مطالعہ کرتا آرہا ہوں۔ یہ اخبار صرف اخبار ہی نہیں بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کے دل کی دھڑکن بن گیا ہے۔ میرا ایک مشورہ ہے کہ جس طرح ملی ٹائمز اہمیت کا حامل ہے اسی طرح ملی ٹائمز کو چاہئے کہ وہ مسلم تنظیموں کی سرگرمیوں کا کالم دے کر ملی ٹائمز کی تحریک کو وسیع کریں۔ امید ہے کہ آپ غور فرمائیں گے۔ اللہ تعالی ملی ٹائمز کو مداومت اور وسعت بخشے۔

محمد سلیم۔ اکولہ

اخبار اور قرآنی آیات

ملی ٹائمز ۱ تا ۱۵ مئی ۹۶ء ایڈیشن کے صفحہ تین پر قرآنی آیات چھپی تھیں ایک خریدار نے یہ مشورہ دیا ہے کہ آپ برائے کرم اپنے اخبار میں قرآنی آیات نہ شائع کریں بلکہ قرآنی آیات کا صرف اردو میں ترجمہ پیش کردیا کریں تاکہ قرآن پاک اور اللہ کے کلام پاک کی بے ادبی نہ ہوسکے۔ اللہ تعالی ہم سب کو ہدایت فرمائے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا کرے آمین۔ امید ہے کہ آپ اس خط کے مضمون اور مشورہ پر غور فرمائیں گے۔

صغیر حسن فاروقی۔ دہرادون۔ یوپی

یہ ضمیر فروشی ہے

میں آپ کا ملی ٹائمز برابر پڑھتا ہوں اور بہت پسند کرتا ہوں۔ امید ہے آپ کے بے لاگ تبصرے برابر آتے رہیں گے۔ یہی شیخ حرم ہیں جو چرا کر بیچ کھاتے ہیں۔ پڑھا اور بہت صحیح پایا یہ کھلم کھلا ملت فروشی ہے۔

شکیل احمد ٹریزی آفیسر۔ مظفرپور۔ بہار

بی جے پی کی منظوری رد کریں

الیکشن کمیشن کی طرف سے عائد پابندیوں کی خلاف ورزی کرنے والی فاشسٹ فرقہ پرست جماعت بی جے پی کی منظوری الیکشن کمیشن فوراً رد کرے۔ کیونکہ بی جے پی نے اپنے انتخابی منشور میں بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر کا اعلان کرکے الیکشن کمیشن کے ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کی مرتکب ہوئی ہے اور مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکا کر ملک میں بدامنی پھیلانا چاہتی ہے۔

دوسری طرف غیر قانونی طریقہ سے بابری مسجد کو مسمار کرتے ہوئے سنیماؤں میں دکھایا جانا اور اس کی جگہ پر رام مندر کی تعمیر کا وعدہ کرنا عدالت عالیہ کی توہین کے مترادف ہے۔

القاضی محمد ساجد الحق صدیقی۔ میرٹھ

یہ مکاری نہیں تو کیا ہے؟

آج کفر ہندوستان میں اپنی پوری فتنہ سامانیوں سے آراستہ ہوکر ملک میں فتنہ و فساد برپا کئے ہوئے ہے یہ بات ہندو لیڈران کے روز مرہ کے بیانات سے ثابت ہے۔

ہندوستان کا "ہندوتو" حامی طبقہ مسلمانوں کو "ڈبکی گنگا" لگا کر مسلمان سے ہندو بن جانے کا مطالبہ کرنے لگا ہے۔ انہیں یہ نہیں معلوم کہ جب ہندوؤں کا ایک طبقہ جو اندھیرے سے نکل کر اجالے میں آگیا ہے یعنی کہ مسلمان بن گیا ہے تو بھلا پھر وہ اندھیرے میں جانے کو کیونکر تیار ہوگا؟ نیز یہ بھی کہ مسلمان کسی ایک جغرافیائی حدود کا باشندہ نہیں بلکہ ہر نسل کا انسان مسلمان ہے اور دنیا کی انسانی نسلوں میں کوئی نسل ایسی نہیں ہے جس میں مسلمان نہیں مگر یہ حقیقت ہندوتو کے علمبرداروں کی سمجھ میں آنے سے رہی۔

چیف الیکشن کمشنر شری شیشن کو ہی دیکھئے یہ حضرت الیکشن کی خامیوں کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں لیکن جس خامی کو ختم کرنا چاہتے ہیں اس کی طرف وہ متوجہ ہی نہیں ہوسکتے۔ کیا ان کے جیسے تیز طرار افسر کو یہ نہیں معلوم کہ مسلم اقلیت کو انتخابات میں ہر طرح سے مجبور بنا دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو بنگلہ دیشی کہہ کر الیکشن لسٹ سے ان کے نام فرقہ پرست اہلکاروں کے ذریعہ اڑا دینا، مسلم اکثریتی علاقے کو ریزرو سیٹ مان کر وہاں ہریجن امیدوار کھڑے کرنا، مسلمانوں کو فیصد کے حساب سے نمائندگی نہ دینا یہ سب ہندوتو کی عیاریاں اور مکاریاں نہیں تو اور کیا ہیں؟ ایک سب سے بڑی اقلیت کو نمائندگی سے محروم رکھنا کیا حقوق انسانی کے زمرے میں آئے گا؟

اصلی اصلی ہے، نقلی کبھی اصلی کا مقام لے ہی نہیں سکتا۔ ایک عربی کہاوت ہے "بلی جیسے چھوٹے جانور کو بھی کونے میں مت کرو" ہمیں امید ہے ہندوتو حامی طبقہ اس بات پر غور و فکر کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ ملک میں سلامتی اور استحکام کی فضا برقرار رہے۔

کمال الدین
تیتری بازار، سدھارتھ نگر۔ یوپی

تہاڑ جیل میں فرقہ واریت پھیلانے کی کوشش

تہاڑ سنٹرل جیل انفرادی نوعیت کی حامل ہے۔ ہائی زون والی اس جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے کیا کچھ ہورہا ہے؟ قیدیوں پر ظلم و تشدد، مار دھاڑ، قانون و انصاف کے مسلمہ اصولوں کی پامالی، اخلاقی ضابطوں کی خلاف ورزی، رشوت ستانی وغیرہ اس جیل کا طرہ امتیاز بن چکا ہے۔

جیل میں اس اندھیر نگری کے باوجود انسانیت کی صرف ایک کرن ہمیشہ باقی رہی جس کی حفاظت یہاں کا ہر نواسی دل و جان سے کرتا چلا آرہا ہے۔ وہ ہے مذہبی رواداری اور نظر بندوں کا آپسی بھائی چارہ۔ ایک دوسرے کے مذاہب و اعتقاد کا احترام اور جذبات کی قدردانی ایک ایسا ورثہ ہے جس پر بلاشبہ رشک کیا جاسکتا ہے۔ لیکن وائے ناکامی! جیل کی موجودہ انتظامیہ نے ایسی بھائی چارہ اور مذہبی رواداری کی اس خوشگوار فضا کو بھی آلودہ بنادیا۔ چنانچہ تہاڑ جیل کی تاریخ میں امسال پہلی بار آئی جی جیل خانہ جات شری آر۔ ایس گپتا نے عید منانے پر پابندی عائد کی۔ اس غیر اخلاقی، غیر قانونی اور متعصبانہ رویے سے پورے جیل میں غم و غصے اور نفرت کی لہر دوڑ گئی اور یوں عید ماتم میں بدل گئی۔ جملہ نظر بندوں نے نہ صرف عید کو یوم سوگ کے طور پر منایا بلکہ بازوؤں پر کالے بلے باندھ کر دن بھر بھوک ہڑتال کی۔ جیل سپرنٹنڈنٹ نے اگرچہ نظر بندوں کو منانے کی بہت کوششیں کیں لیکن ناکام رہے

تہاڑ جیل میں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کا یہ پہلا موقع نہیں ہے۔ بلکہ موجودہ آئی جی نے چارج سنبھالتے ہی مسلمانوں کو طرح طرح سے ہراساں و پریشاں کرنا شروع کیا۔ وہ کھلے عام مسلمان نظر بندوں کو دیش دروہی کہتے ہیں۔ عید پر پابندی سے قبل بھی انہوں نے پنج وقتہ نمازوں اور اذان پر پابندی لگانے کی کوشش کی لیکن نظر بندوں کے عمومی احتجاج اور جیل کے دیگر افسران کے سمجھانے پر بالآخر انہوں نے دھیمی آواز سے اذان دیکر نماز ادا کرنے کی محدود اجازت دی۔ واضح رہے کہ یہ پابندیاں صرف مسلمانوں پر عائد کی جاتی ہیں۔ باقی مذاہب کے ماننے والوں کو کھلی چھوٹ حاصل ہے۔ خصوصی مراعات بھی دیتے ہیں۔

اگر اس صورت حال پر فوری طور قابو نہ پایا گیا تو بعید نہیں کہ عنقریب تہاڑ جیل فرقہ وارانہ منافرت اور رسہ کشی کی آماجگاہ بن جائے گی۔ پھر دوریاں اتنی بڑھ جائیں گی کہ مٹانا مشکل ہوگا۔

انجینئر خلیق الزماں اور اسیران تہاڑ جیل۔
نئی دہلی

بقیہ: آزادی یا موت — اب ظالم سے کوئی سمجھوتہ نہیں

دودائیف کو قتل کرنے کے پیچھے یلتسن کی یہ سوچ کارفرما ہے کہ ان کے منظر نامے سے ہٹ جانے کے بعد یا تو چیچن لیڈر آپس میں لڑ پڑیں گے یا ان کا نیا جانشین ذرا معتدل ہوگا جو روس سے کسی قسم کے قابل قبول معاہدے پر دستخط کردے گا۔ روسی ذرائع ابلاغ سر دست یہ خبریں پھیلا رہے ہیں کہ چیچن گوریلاؤں میں اقتدار اور پیسے کے لئے لڑائی شروع ہوگئی ہے۔ روسی ذرائع نے یہ غیر مصدقہ خبر بھی اڑائی کہ مرحوم شہید دودائیف کے جانشین بھی ایک روسی حملے میں ہلاک ہوگئے ہیں۔ اور مجاہدین کے مختلف گروپ آپس میں لڑ پڑے ہیں۔ لیکن آزاد ذرائع کا کہنا ہے کہ وقتی قسم کے اختلافات کے باوجود چیچن مجاہدین کا بڑا طبقہ متحد ہے اور روس کے خلاف جنگ کرتے رہنے کے عہد پر قائم ہے۔

کیا دودائیف کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد چیچنیا میں امن قائم ہوجائے گا؟ دراصل آج دنیا میں خصوصاً امریکہ و روس میں یہ تاثر قائم ہوتا جارہا ہے کہ اگر اصل لیڈر کو جنگ کے شروع ہی میں قتل کردیا جائے تو فتح آسان ہوجاتی ہے۔ اسی ذہنیت اور سوچ کے مطابق ۱۹۸۰ء میں امریکہ نے لیبیا کے کرنل معمر قذافی پر حملہ کیا تھا۔ اس سے قبل اسرائیل نے تیونس میں یاسر عرفات کو ختم کرنے کی سعی کی تھی۔ ۱۹۹۱ء کی خلیجی جنگ میں امریکہ نے بھی ایسی ہی کوشش صدام کے خلاف کی تھی۔ مگر ایسی تمام کوششیں نہ صرف ناکام ہوئیں بلکہ الٹا ان لیڈروں کی مقبولیت میں اضافہ کا باعث بن گئیں۔

> بہت جلد روسیوں کو بھی احساس ہوگا کہ جنرل دودائیف کو قتل کرکے انہوں نے اپنے مسائل کم نہیں کئے ہیں بلکہ ان میں مزید اضافہ کردیا ہے۔ وہ روسی جو یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ دودائیف کی شہادت کے بعد چیچنیا میں امن قائم کرنا آسان ہوجائے گا بہت جلد مایوس ہونے والے ہیں۔

بہت جلد شاید روسیوں کو بھی احساس ہو کہ جنرل دودائیف کو قتل کرکے انہوں نے اپنے مسائل کم نہیں کئے ہیں بلکہ ان میں مزید اضافہ کردیا ہے۔ وہ روسی جو یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ دودائیف کی شہادت کے بعد چیچنیا میں امن قائم کرنا آسان ہوجائے گا، بہت جلد مایوس ہونے والے ہیں۔ تمام ہی اہم چیچن لیڈروں نے اپنے لیڈر کی موت کا بدلہ لینے کی دھمکی دی ہے جس کا مطلب ہے کہ مزید خون خرابہ ابھی باقی ہے۔ احمد ذکائیف ایک باغی چیچن فیلڈ کمانڈر ہیں۔ ان کے یہ الفاظ شاید روسیوں کی آنکھیں کھول دیں کہ "صدر دودائیف کے تحت کوئی معاہدہ تو ممکن بھی تھا، اب صورتحال ایسی نہیں ہے۔" مختصراً یہ کہ روسی صدر یلتسن کے مسائل میں اب بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ یہ ممکن ہے کہ چیچن مزید طاقت سے روسی فوجوں کے خلاف حملے شروع کردیں۔

شرم الشیخ میں دہشت گردی کی مذمت کرنے والے اسرائیلی دہشت گردی کی حمایت کرنے لگے

شمعون پیریز لبنانی مسلمانوں کی لاشوں پر صدارتی انتخاب جیتنا چاہتے ہیں

حسان تحسین لبنان پر اسرائیلی حملے کا آپریشن کرتے ہیں

لبنان کے شہروں اور قریوں پر بری بحری اور فضائی اسرائیلی حملوں نے عالمی برادری کو پھر یاد دلادیا کہ امریکہ کے یار غار کا قبضہ آج بھی لبنان کے بعض علاقوں پر ہے۔ اور یہ کہ اس بار اسرائیلی جارحیت کا نشانہ صرف بیروت ہی نہیں بنا بلکہ اس کا رخ ایک سیریائی ٹھکانے کی طرف بھی تھا۔ اس تمام تر جارحیت کا مقصد لبنان کو دہشت زدہ تو کرنا ہی تھا اسی کے ساتھ ساتھ لبنان میں شامی فوجوں کو بھڑکانا بھی تھا۔ لبنان میں تازہ ترین اسرائیلی فوجی کارروائی سے دو باتیں واضح ہوئی ہیں۔ اول یہ کہ لبنان میں شامی فوجوں کی موجودگی اسرائیل کو اس علاقے میں کشت و خون سے باز نہیں رکھ سکتی۔ دوسرے یہ کہ دیگر عرب ممالک کو یہ باور بھی کرانا ہے کہ مشرق وسطی میں اسرائیل کو آج بھی بالادستی حاصل ہے اور صہیونی ریاست کے مقابل آنے والی کسی بھی طاقت کو زیر کرنے کی صلاحیت وہ رکھتا ہے یہاں تک کہ بین الاقوامی ضابطوں کو پامال بھی کرسکتا ہے۔

لبنان اور اسرائیل کے درمیان بحران ادھر کچھ دنوں سے زیادہ شدید ہوگیا ہے حیرت کی بات یہ ہے کہ لبنان میں جو کچھ ہوا اس سے دنیا پہلے سے آگاہ تھی اور اس کے باوجود وہائٹ ہاؤس کی طرف سے اخبارات میں یہ بیان آیا کہ امریکی انتظامیہ حقیقت حال سے واقف ہونے کی کوشش کررہی ہے۔ دوسری طرف اسرائیلی لیڈروں کے بیانات میں جنوبی لبنان پر ناجائز اسرائیلی قبضے کو جواز بخشنے کی کوشش کی گئی۔ اس ضمن میں اسرائیلی وزیر اعظم شمعون پیریز کا بیان قابل ذکر ہے جس میں انہوں نے کہا کہ اسرائیلی فوج کو حزب اللہ گروپ کے حملوں کا جواب دینے کا پورا حق حاصل ہے اور یہ کہ اسرائیل نے کوئی چیز زبردستی نہیں لی ہے۔ انہوں نے حزب اللہ کو جنوبی لبنان میں مقیم ایک خارجی قوت قرار دیا جب کہ وہ لبنانی عوام کا ایک حصہ ہیں اور اپنے مقبوضہ علاقے کو آزاد کرانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ تاہم شمعون پیریز نے زور بیان میں اس کا اقرار کر ہی لیا کہ اسرائیلی ریاست لبنانی علاقوں کا استحصال کررہی ہے اور ان کی واپسی اسرائیل کی عائد کردہ شرائط کی روشنی میں ہی ہوسکے گی۔ اس طرح سابق اسرائیلی وزیر دفاع نے بھی لبنان کو یہ کہہ کر خبردار کیا ہے کہ وہ حزب اللہ کو ملک میں رکھ کر سنگین خطرہ مول لے رہا ہے۔

ایک طرف تو اسرائیلی جارحیت کئی ہفتوں تک لبنان میں جاری رہی اور دوسری طرف واشنگٹن نے وہاں کے حالیہ واقعات کے لئے حزب اللہ کو ذمہ دار ٹھہرائے ہوئے ہے۔ خود لبنان کو اپنے علاقے آزاد کرانے کی جدوجہد کو اس وقت تک روکے رکھنے کا مشورہ دیا ہے جب تک اسرائیل خود نہ طے کرلے کہ اس سلسلے میں کیا ہونا ہے۔

☆ جنوبی لبنان میں اسرائیل کا وحشیانہ حملہ جس میں سو سے زیادہ مسلمان شہید ہوگئے

واقعہ یہ ہے کہ لبنان پر اسرائیلی جارحیت کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اس کا سلسلہ ۱۹۸۲ سے جاری ہے جب تادیبی کارروائی کے تحت بشمول بیروت لبنان کے خاصے علاقے پر اسرائیلی فوجیں قابض ہوگئی تھیں۔ اس وقت امریکی انتظامیہ اور پوری عالمی برادری نے اسرائیلی یورش پر احتجاج کیا تھا۔ آج وہی امریکہ اسرائیلی جارحیت پر خاموش ہے اور اس کی طرف سے مذمت کا ایک لفظ بھی نہیں کہا جارہا ہے بلکہ الٹے یہ سننے کو مل رہا ہے کہ جنوبی علاقوں میں اسرائیلی تسلط کے خلاف لبنانی مقاومت آزاد ریاست کی حیثیت سے اس کے وجود کے لیے خطرہ ثابت ہوگی۔ امریکی وزیر خارجہ وارن کرسٹوفر نے اپنے گمراہ کن بیان میں تو یہ تک کہا ہے کہ امریکہ کسی ملک کو اپنا دفاع کرنے کے حق سے محروم نہیں کرسکتا خصوصاً جب اس کے باشندے لگاتار راکٹ کے حملوں کی زد پر ہوں انہوں نے اسرائیلی اقدام کو حق بجانب گردانتے ہوئے لبنانیوں کے اپنے علاقے کو ناجائز قبضے سے چھڑانے کے حق سے بھی انکار کیا۔ شرم الشیخ میں منعقد امن کانفرنس کے ذریعے اپنی سیاسی آرزوئیں پوری کرلینے کے بعد اسرائیل نے شرق اوسط میں اپنی قوت کے مظاہرہ کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ درحقیقت یہ کانفرنس اسرائیلی جارحیت کو جواز عطا کرنے کا ایک وسیلہ تھی۔ لبنان پر اسرائیلی حملے سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

شرم الشیخ میں منعقد امن کانفرنس کے ذریعے اپنی سیاسی آرزوئیں پوری کرلینے کے بعد اسرائیل نے شرق اوسط میں اپنی قوت کے مظاہرہ کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ درحقیقت یہ کانفرنس اسرائیلی جارحیت کو جواز عطا کرنے کا ایک وسیلہ تھی۔ لبنان پر اسرائیلی حملے سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر عالمی برادری کے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ لبنان پر حملہ رکوانے کی غرض سے اسرائیل پر دباؤ ڈالے اور اس کوشش میں واشنگٹن اور برطانیہ کے سوا تمام ممالک نے شرکت کی۔ لبنانی وزیر اعظم رفیق الحریری کا دورہ دمشق اسی کوشش کی ایک کڑی تھی تاکہ حزب اللہ مخالف اسرائیلی مہم کو خاموش کیا جاسکے۔ فرانسیسی صدر شراک نے اپنے وزیر خارجہ کو مشرق وسطی روانہ کردیا لیکن ان کی وہاں آمد سے پہلے ہی اسرائیل نے بڑی تمکنت سے فرانسیسی مشن کی ناکامی کا اعلان کردیا گویا یہ کہا جارہا ہے کہ اسرائیل کسی حالت میں اپنی فوجی کارروائی بند نہیں کرے گا تا آنکہ لبنان اپنی مقاومتی فوجیں اسرائیلی مقبوضہ علاقوں سے نہ ہٹالے اور انہیں ہتھیار ڈالنے کا حکم نہ دے دے۔ دراصل اسرائیلی حملہ کا نشانہ حزب اللہ تھا جس کی سرکوبی کے ذریعے پیریز اسرائیلی شہریوں کے ووٹ ہتھیانا چاہتے ہیں۔ راقم السطور کے خیال میں پیریز اپنی انتخابی مہم کی کامیابی کے لئے شرم الشیخ کانفرنس کو حربے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ لبنانی وزیر خارجہ محسن دلوی نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ لبنان پر اسرائیلی حملے اسرائیل میں انتخاب کے آغاز تک جاری رہیں گے۔ لبنان کے خلاف اس انتقامی کارروائی سے اسرائیل کا بالواسطہ مقصد سیریا سے بعض ایسی مراعات کے حصول کے لیے اس پر دباؤ ڈالنا بھی تھا جس سے اس کی خود مختاری پر آنچ آئے۔

☆ شمعون پیریز

دراصل اسرائیلی حملہ کا نشانہ حزب اللہ ہے۔ جس کی سرکوبی کے ذریعے پیریز اسرائیلی شہریوں کے ووٹ ہتھیانا چاہتے ہیں۔ راقم السطور کے خیال میں پیریز اپنی انتخابی مہم کی کامیابی کے لئے شرم الشیخ کانفرنس کو حربے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

لبنان پر اسرائیلی جارحیت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسرائیل ایک دہشت گرد ریاست ہے اور اس کی حمایت وہی ممالک کررہے ہیں جنہوں نے شرم الشیخ کانفرنس میں دہشت گردی کی مذمت کی تھی۔

شیوسینا اس سے ڈرتی ہے کیونکہ وہ شیواجی کی اصلی اولاد ہے

شیوسینا اس سے خوف زدہ ہے کیونکہ وہ ۱۴ ویں پشت میں شیواجی کی اصلی اولاد ہے۔ شیوسینا کے ورکرس اور خود بال ٹھاکرے کو یہ خوف لاحق ہے کہ اگر اسے پارٹی میں شامل کیا گیا تو نقلی چھترپتیوں کا سیاسی دیوالہ نکل جائے گا اور ادھو اور راج ٹھاکرے اپنی اوقات میں آجائیں گے۔ چھترپتی شیواجی کی یہ اولاد ادیان راجے بھونسلے خود شیوسینا اور بال ٹھاکرے کا سخت مخالف اور نکتہ چیں ہے۔ اس ۲۸ سالہ نوجوان نے شیوسینا کے امیدوار کے خلاف بمبئی کے ستارہ حلقہ سے الیکشن لڑا اور شیوسینا کو زبردست ٹکر دی۔ یہ آزاد امیدوار تھا اور اسے جنتادل، مسلم لیگ، بائیں بازو کی پارٹیوں اور آرپی آئی کی حمایت حاصل تھی۔

ادیان راجے بھونسلے کہتے ہیں کہ شیوسینا نے شیواجی کا نام استعمال کرکے سیاسی فائدہ اٹھایا لیکن وہ ان کے اصولوں پر چلنے سے کتراتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ شیوسینا کے اصول و نظریات اور اس کے تنظیمی ڈھانچے کے مخالف ہیں۔ ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں آمریت نہیں چلتی۔

ادیان راجے تمام سیاسی پارٹیوں پر شیواجی کے نام کا فائدہ اٹھانے کا الزام لگاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کانگریس، جنتا دل، بی جے پی اور ریپبلکن پارٹی سب نے ان کے بزرگوں کے ناموں کا استعمال کیا البتہ سیاسی فائدہ شیوسینا نے اٹھایا۔ شیواجی کا نام ایک جذباتی ماحول بنادیتا ہے اس لئے شیوسینا بی جے پی نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر شیوسینا کا نام ٹھاکرے سینا رکھ دیا جائے تو یہ بے معنی ہوجائے گی اور اس کا وجود ختم ہوجائے گا۔ ــــــ

بقیہ: ہارٹ اٹیک ہی نہیں اسٹروک بھی آپ کی جان کا دشمن ہے

دوا ٹی پی اے کی ایجاد بھی ہے جس کا کام ہارٹ اٹیک کے معاملات میں انجماد خون کو روکنا ہے۔ ابھی تک اس دوا کی کامیابی ساٹھ فیصد تھی کیونکہ بڑے اور موٹے تھکے اس سے حل نہیں ہوپاتے۔ ایک اور طریقہ جو ان دنوں زیر مطالعہ ہے وہ یہ کہ جب اسٹروک کے زیر اثر دماغ کی طرف خون کا دوران رک جاتا ہے تو اس وقت پیدا ہونے والے ٹاکسک کیمیائی مادوں کی پیداوار پر قابو پایا جائے کیونکہ ایسی حالت میں دماغی خلیوں کی بے کاری کیمیائی رد عمل کا نتیجہ ہوتی ہے

ہیموریج اسٹروک کا علاج عام طور پر آپریشن ہے جس میں رستی ہوئی Cranial arteries کو باندھ کر دباؤ پیدا کرنے والے خون کی مقدار خارج کردی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ تھکوں یا کلاٹس کو حل کرنے کے لیے ہائی فریکوئنسی ساؤنڈ ویو سے بھی کام لیا جاتا ہے جو ان کلاٹس کو باہر نکال دیتی ہے۔

ایک مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ سبزیوں اور پھلوں کے بہ کثرت استعمال سے اسٹروک کے خطرات کو ۲۲ فیصد کم کیا جاسکتا ہے۔

”میرے ہونٹوں کا تبسم میرے پیشے کا لازمی جزو ہے“

خاتون ملازماؤں اور لیڈی سکریٹریز کو نہ جانے کن کن اذیت ناک مراحل سے گذرنا پڑتا ہے

دفاتر میں کام کرنے والی خواتین کے تاثرات پر مبنی ایک جائزہ

ایسے معاشرے میں جہاں دفاتر مدارس اور جامعات میں مردوں اور عورتوں کا ایک ساتھ کام کرنا ممنوع نہیں سمجھا جاتا لیڈی سکریٹری کا پیشہ بہت عام ہے۔ اسلام نے عورت پر واجب کیا ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے آتے ہوئے وہی کپڑے پہنے جس سے پورا جسم ڈھک سکے۔ اور مردوں کی اکثریت والے دفاتر میں سکریٹری کو ایسے حالات اور خیالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کی بنا پر وہ اسلامی وجوب سے روگردانی پر مجبور ہوتی ہے۔ سکریٹری کے پیشے میں جیسا کہ ہمیں معلوم ہے بعض دفعہ ایسی خلوت کی بھی نوبت آتی ہے جو شرعاً حرام ہے مزید یہ کہ لیڈی سکریٹری کو ایسی کانفرنسوں اور میٹنگوں میں شرکت بھی کرنی ہوتی ہے جہاں بس مرد ہی مرد ہوں اور یہ شرکت اسے خلاف شرع اعمال کی راہ پر لگاتی ہے مثلاً یہ کہ وہ نہ تو حجاب اختیار کرسکتی ہے اور نہ ہی اجنبی مردوں کے سامنے ہونے سے گریز کرسکتی ہے۔

> سکریٹری کے پیشے میں بعض دفعہ ایسی خلوت کی بھی نوبت آتی ہے جو شرعاً حرام ہے ایسی کانفرنسوں اور میٹنگوں میں شرکت بھی کرنی ہوتی ہے جہاں بس مرد ہی مرد ہوں اور یہ شرکت اسے خلاف شرع اعمال کی راہ پر لگاتی ہے

اخبارات میں شائع سکریٹری کے لیے اشتہارات پر نظر ڈالنے تو اندازہ ہوگا کہ اس میدان میں کام کرنے والی لڑکیاں اور عورتیں کیسے دشوار مراحل سے گذرتی ہوں گی۔ سکریٹری ہی کی طرح ایک اور شعبہ بعض مسلم ممالک مثلاً مراقش میں پبلک بسوں میں ٹکٹ چیکر کا ہے۔ سکریٹری کو درپیش عملی پریشانیوں کا اندازہ خود اس پیشے سے منسوب خواتین کے بیانات سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔

مختلف میدان عمل میں مصروف کار لیڈی سکریٹریوں کے حالات کے ایک سروے سے ان متعدد پریشانیوں کا علم ہوا ہے جو ان خواتین کو آئے دن پیش آتی ہیں۔ مثال کے طور پر مراقش کی ایک ریشمی ملبوسات بنانے والی فرم میں سکریٹری فاطمہ نے بتایا کہ اس امر کا ایک افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ لوگ سکریٹری کو منیجر کے آفس کے لئے محض آرائش کی چیز سمجھتے ہیں اور اسی لئے اس کے ساتھ غیر معمولی شرائط لگی ہوتی ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی بھی منصبی ذمہ داریاں بہت اہم اور اس کی سکت سے زیادہ ہیں۔ ہر چند کہ میرا احترام فرم کے سبھی لوگ کرتے ہیں مگر یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ کبھی میرے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوجائے اور کوئی ناگواری کا تاثر ابھرے یہ میرے پیشے کا ایک لازمی عنصر سمجھا گیا ہے۔ میری ملازمت کا پہلا سال تو اس طرح گذرا کہ منیجر محترم قدم قدم پر یاد دلاتے رہتے تھے کہ سکریٹری شپ کے پیشے میں کس طرح کا رکھ رکھاؤ پسندیدہ سمجھا جاتا ہے اور کن باتوں سے احتراز کرنا چاہیے۔ اس کے مقابلے میں دوسری خاتون شفیقہ کا تجربہ دیکھیے۔ وہ بھی ایک تجارتی ادارے میں کام کرتی تھیں۔ وہ اس پیشے کو بہت برا سمجھتی ہیں۔ انہوں نے اپنے منیجر کی مرضی کے مطابق عمل نہیں کیا اور انہیں ملازمت سے برطرف کردیا گیا۔ سکریٹری کو دفتر کے اندر اس طرح کی مشکلات سے دو چار ہونا پڑتا ہے تو بس کی کنڈکٹر کے مسائل کچھ کم تشویشناک نہیں ہیں جس کا اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس پیشے سے منسلک کوئی خاتون اپنی روداد الم خود سنائے۔ ایسی عورتوں کو روزانہ خاصا وقت ڈرائیوروں کے ساتھ الگ گذارنا پڑتا ہے جس سے کئی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں ایک سالہ بچی کی ماں حکیمہ نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اس کا کام صبح چھ بجے سے شروع ہو کر ایک بجے تک چلتا ہے۔ اس دوران بچی اکیلی رہتی ہے اس کے علاوہ ڈرائیور کے ساتھ تنہا رہنا ہرچند کہ اس کا برتاؤ برادرانہ ہے، خاصا شاق گذرتا ہے کیونکہ اس سے لوگوں کو فقرے بازی کا موقع ملتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ بس کے مسافروں میں اکثر و بیشتر ایسے اوباش آجاتے ہیں جو کنڈکٹر سے چھیڑ چھاڑ کی کوشش کرکے اس کے کام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔

عمرہ جو ایک اسپورٹ ہاؤس میں سکریٹری ہیں ان کا کہنا ہے کہ اگر ڈائرکٹر یا منیجر اچھے کردار کے ہیں تو ان کے ساتھ کام کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی، لیکن بصورت دیگر دفتر کے دوسرے ملازمین کی نظر میں سکریٹری اور منیجر ہر وقت رہتے ہیں اور ان دونوں کو موضوع بنا کر اکثر سرگوشیاں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ چونکہ سکریٹری ہی دفتر سب سے پہلے پہنچتی ہے اور سب سے بعد میں عموماً جانے والی ہوتی ہے اس لیے سکیشن کے سربراہ یا منیجر کے کردار کے سماج میں اس کی عزت پر بہت اثر پڑتا ہے۔ منیجر کی نامعقولیت سکریٹری کی رسوائی کا سبب بن سکتی ہے۔ سکریٹری شپ کے پیشے کے دو مزید قابل توجہ پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ

بعض مردوں سے اس بارے میں دریافت کیا گیا کہ اگر ان کی بیویوں کو کسی کمپنی یا ادارے میں سکریٹری شپ کے منصب پر کام کرنے کی پیشکش کی جائے تو ان کا کیا رد عمل ہوگا۔ اس پر ایک صاحب نے جن کا نام عمر ہے جواب دیا کہ ایسا اسی وقت ممکن ہے جب وہ خود اس ادارے یا فرم کے منیجر ہوں۔ ورنہ وہ کسی حالت میں اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ کام کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس جواب میں ممکنہ اندیشوں کی جھلک آپ کو ضرور مل جائے گی۔ کمپنیوں اور اداروں میں انتظامی مناصب پر فائز مردوں کو جنہیں سکریٹری رکھنے کی سہولت حاصل ہے ان کی بیویوں کے تاثرات بھی قابل ذکر ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک منیجر کی بیوی کا تجربہ یہ ہے کہ اس کے شوہر کی سکریٹری با اخلاق اور ملنسار خاتون ہے۔ وہ ان کے گھر آتی ہے۔ ان سے محبت سے پیش آتی ہے۔ دونوں میں بہنوں جیسا تعلق ہے۔ صاحب خانہ بھی اپنے شوہر اور اس سکریٹری کے مابین روابط سے مطمئن ہیں۔ اس کے برعکس ایک اور مثال جس کی کمی نہیں، یہ ہے کہ منیجروں کی بیویاں کسی کے منہ سے اپنے شوہر کی سکریٹری کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتیں کیونکہ ان کے خیال میں یہ سکریٹریاں ان کے شوہروں پر ڈورے ڈال کر ان کے حقوق پر دن دھاڑے ڈاکہ ڈالتی ہیں

ضرورت رشتہ

☆ ایک سنی حنفی مسلک کی ۲۵ سالہ لڑکی کے لئے جس کا قد پانچ فٹ ہے اور جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ریسرچ اسکالر ہے۔ نیک، دیندار، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور برسر روزگار لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ ذات برادری کی کوئی قید نہیں ہے۔

خواہش مند حضرات اس پتے پر رجوع کریں
ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس نمبر 1-A
۳۹، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر،
نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

☆ داؤدی بوہرہ خاندان کی خوبصورت و دلکش لڑکی (عمر ۳۴ سال، قد ۱۴۵ سینٹی میٹر) کے لئے داؤدی بوہرہ گھرانے کے تعلیم یافتہ بزنس مین سے رشتہ مطلوب ہے۔
رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس نمبر۔ ۲۴۸

☆ سنی خاندان کی خوبصورت، گھریلو ڈاکٹر لڑکی (عمر ۲۹ سال) کے لئے بمبئی میں مقیم ڈاکٹر، اکزکٹیو، بزنس مین سے رشتہ مطلوب ہے۔
رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس نمبر۔ ۲۴۹

☆ داؤدی بوہرہ فرقے کی خوبصورت، اسمارٹ امریکہ میں پوسٹ ڈاکٹورل ریسرچ فیلو لڑکی (عمر ۳۳ سال، قد ۱۵۸ سینٹی میٹر) کے لئے جو جلد ہی ہندوستان آنے والی ہے اسی فرقے کے تعلیم یافتہ اور خوشحال لڑکے سے رشتہ درکار ہے۔
رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۵۰

☆ سنٹرل گورنمنٹ اکزکٹیو افسر کے عہدے پر فائز سنی گھرانے کی خوبصورت لڑکی (عمر ۲۶ سال) کے لئے پروفیشنل تعلیم یافتہ، اکزکٹیو یا بزنس مین سے رشتہ مطلوب ہے۔
رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۵۱

☆ سنی خاندان بی ایس سی بی ایڈ، خوبصورت کنونٹ کی پڑھی ہوئی لڑکی (عمر ۲۵ سال، قد ۵ فٹ ۴ انچ) کے لئے بمبئی میں مقیم موزوں اور کشادہ ذہن لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۵۲

☆ سنی گھرانے کی ایم ایس سی پاس (عمر ۳۴ سال، قد ۱۶۰ سینٹی میٹر) این آر آئی گرین کارڈ ہولڈر لڑکی کے لئے پروفیشنل تعلیمی صلاحیت والے لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ بشرط واپسی تصویر کے ہمراہ تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔
رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۵۳

☆ بی لب اور ڈپلوما ان کمپیوٹر سائنس کی ڈگری یافتہ سنی گھرانے کی خوبصورت لڑکی (عمر ۲۸ سال، قد ۵ فٹ ۳ انچ) کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ ۲۵۴

☆ اعلیٰ تعلیم یافتہ سنی خاندان کی انجینیرنگ گریجویٹ لڑکی کے لئے ہندوستان یا باہر مقیم تعلیم یافتہ لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔
رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۵۵

☆ کچھی میمن سنی خاندان کی برسر روزگار لڑکی (عمر ۲۷ سال، قد ۱۵۶ سینٹی میٹر) کے لئے کچھی میمن گریجویٹ بزنس مین سے رشتہ مطلوب ہے۔
رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۵۶

☆ تجربہ کار وکیل کی زیر تربیت سنی مسلم خاندان کی خوبصورت بی کام ایل ایل بی لڑکی (عمر ۲۵ سال قد ۵ فٹ ۶ انچ) کے لئے خوش حال اور تعلیم یافتہ لڑکے سے رشتہ درکار ہے۔
رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۵۷

☆ سنی گھرانے کی خوبصورت، بی فارما ایم بی اے لڑکی (عمر ۲۳ سال) کے لئے گلف میں ملازم انجینیئر، سی اے یا ڈاکٹر سے رشتہ درکار ہے۔
رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۵۸

بمبئی میں مقیم یوپی کے سنی گھرانے سے تعلق رکھنے والی خوبصورت لڑکی (عمر ۲۷ سال، قد ۵ فٹ دو انچ) کے لئے تعلیم یافتہ اور خوش حال لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔
رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس ۲۵۹

☆ شیعہ گھرانے کی خوبصورت سابق معلمہ (عمر ۳۲ سال) کے لیے موزوں رشتے کی تلاش ہے
۔رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۶۰

☆ سنی گھرانے کی خوبصورت ایم اے بی ایڈ لڑکی (عمر ۳۰ سال، قد ۱۶۰ سینٹی میٹر) کے لئے تعلیم یافتہ، مہذب خاندان کے لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ یوپی کے رشتوں کو ترجیح دی جائے گی۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۶۱

☆ سنی انصاری گھرانے کی دہلی میں مقیم ایم اے سوشل ورک اور پبلک ریلیشنز میں ڈپلوما، معروف ادارے میں اکزکٹیو کے منصب پر فائز (عمر ۲۷ سال، قد ۱۵۰ سینٹی میٹر) کے لئے مہذب خاندان کے تعلیم یافتہ اور متمول لڑکے سے رشتہ درکار ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۶۲

☆ راجستھان گورنمنٹ میں ٹیچر ایم ایس سی بی ایڈ خوبصورت صوم و صلوٰۃ کی پابند لڑکی (عمر ۳۰ سال، قد ۱۶۱ سینٹی میٹر) کے لئے موزوں رشتے کی تلاش ہے۔ رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۶۳

☆ دہلی میں مقیم مغربی یوپی کے شیعہ سید گھرانے کی خوبصورت، تعلیم یافتہ لڑکی (عمر ۲۸ سال قد ۵ فٹ ۴ انچ) کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ باکس۔ ۲۶۴

مجھے لگا کہ میں نے کائنات میں اپنا صحیح مقام پالیا اور

اسی رات میں نے کلمہ پڑھ کر اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دیا

جار جیانوری کے قبول اسلام کی کہانی خود انہی کی زبانی

اسلام سے پہلی بار میرا گہرا سابقہ اس وقت پڑا جب اپنے ایک ہم جماعت محمد سے میری ملاقات سوانسی یونیورسٹی میں ہوئی۔ محمد جنگ کی شکار سرزمین لبنان سے ایک سال پہلے ہی برطانیہ میں وارد ہوا تھا۔ اگرچہ میرا تعلق شدت پسند اینگلیکن مسیحی خاندان سے ہے تاہم عقیدے کے معاملے میں میرے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کا مجھے کوئی حل نہیں مل رہا تھا اور محمد کے مذہب میں مجھے اپنے سوال کا جواب ملتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ مثال کے طور پر پہلے میں تثلیث کے مسئلے کو نہیں سمجھی تھی۔ پھر جب محمد نے یہ کہا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے تو مجھے یہ بات اپنی جگہ صاف ستھری نظر آئی کہ انسان کا کوئی ایسا مذہب ہونا چاہئے جس میں خدا کو یکتا اور یگانہ کی حیثیت حاصل ہو۔

جو احساسات میرے دل میں ابھی تک پلتے رہے تھے اسلام ان سب پر پورا اتر رہا تھا۔ بچپن میں بھی اتنا تو میں جانتی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پیغمبر تھے اور ایک عظیم پیغام نجات لے کر آئے تھے لیکن انہیں بھی خدا کی جگہ پر لائق عبادت نہیں سمجھتی تھی مجھے روحانی سچائی کی تلاش تھی لیکن یہ علم نہ تھا کہ یہ سچائی مجھے اسلام لے دامن میں ملے گی۔

اسلام کے بارے میں میری معلومات کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا گیا اسی قدر بر حق لگنے لگا۔ لیکن تبدیلی مذہب کوئی آسان کام نہ تھا۔ میں حلقہ بگوش اسلام ہونے کے لئے مضطرب تھی لیکن اس سے باخبر نہیں تھی کہ آیا مجھ میں ایسا کر بیٹھنے کی جرات ہے کہ نہیں۔ میں اسی بات سے خائف تھی کہ میرے خاندان کے افراد کیا سوچیں گے اور اس کے علاوہ تہذیب بدل جانے اور معاشرے میں اپنی حیثیت بدل جانے کا خیال بھی مانع تھا۔

ایک رات جب کہ میں محمد سے اسلام کے بارے میں تبادلہ خیال کر رہی تھی مجھے ایسا لگا کہ کائنات کے اندر میں نے اپنے صحیح مقام کو پالیا ہے۔ اب گویا ضبط نہیں ہو رہا تھا اور اسی کیفیت میں میں نے اپنے منگیتر کے سامنے کلمہ پڑھ لیا۔ میں نے کلمے کے الفاظ کی ادائیگی اس کے سامنے صدق دل سے کی تھی۔ پہلے میں کلمے کے پہلے حصے پر ہی عقیدہ رکھتی تھی۔ اور اس رات مجھ میں اتنی ہمت آ گئی کہ دوسرے حصے پر اپنے ایمان کا بھی اعلان کر دیا۔ دوسری صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں اس نتیجے پر پہنچی کہ میں نے صحیح قدم اٹھایا تھا۔ یہ سوچ کر مجھے بہت سکون ملا اور آزادی کا احساس بھی۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے اس عمل میں اس بات کی طرف سے میں آگاہ تھی کہ میں نے بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ اسلام ایک وسیع موضوع ہے یہ مانتے ہوئے کہ مجھ پر ایسی بات کا انکشاف ہوا ہے جس پر میرا اعتقاد نہیں جتنا ہی مجھے اسلام کے بارے میں معلوم ہوتا گیا اتنا ہی میرا یہ احساس بھی گہرا ہوتا گیا کہ یہ وہی بات ہے جس پر میں اعتقاد رکھنا چاہتی تھی۔

ایک مسلمان شخص سے رشتہ ازدواج میں بندھنا میرے قبول اسلام کا سبب نہیں بنا بلکہ اس میں تبدیلی کے ایک داخلی عمل کا بڑا ہاتھ ہے۔ آج جب میں ماضی پر نگاہ کرتی ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس داخلی تبدیلی کے اشارے پہلے ہی ملنے لگے تھے۔ بچپن سے ہی میں اپنے خاندان کے ساتھ مصر اور لبنان جایا کرتی تھی۔ میں بیان نہیں کر سکتی کہ وہاں پہنچ کر مجھے کتنا سکون ملتا تھا۔ اور جب بھی وہاں سے رخصت کا وقت آتا تو مجھے صدمہ ہوتا تھا۔

محمد اور میں لاف بورو آ گئے تاکہ وہ اپنی تعلیم جاری رکھ سکے۔ وہاں ہم نے مسلم فرقے کے افراد سے رابطہ بڑھایا۔ اور اس طرح پہلی بار مجھے دیندار مسلمانوں کے درمیان رہنے کا تجربہ ہوا۔ اس سے میرے دل میں مزید یہ خواہش پیدا ہوئی کہ قرآن و سنت کے اصولوں پر زیادہ سختی سے عمل پیرا ہو جاؤں۔ اسلام کے ضوابط میں مجھے بڑی کشش نظر آتی تھی مثلاً پنج وقتہ نماز جن کے لیے مخصوص اوقات میں نماز کی پابندی انسان کو فطرت سے قریب رہنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ یہ ایک طرح کا مراقبہ ہے جس میں ذہن پوری طرح یکسو ہو کر مالک حقیقی کے تصور میں محو ہو جاتا ہے۔

مرد اور عورت کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے کا اسلامی ضابطہ بھی مجھے بہت اچھا لگا کیونکہ یہ زیادہ پر سکون زندگی گذارنے کا اصول ہے۔ اسی اصول کے طفیل بیویوں کو یہ اطمینان حاصل رہتا ہے کہ ان کے شوہروں کا دل غیر عورتوں کی طرف مائل نہیں ہوگا۔ لوگ سوچتے ہوں گے کہ ہمیں اپنے شوہروں پر اور شوہروں کو بیویوں پر اعتماد نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں نفسانی خواہشات کی طرف کھنچنے کی جبلت رکھی ہے اس لئے اس سے بچنے کے احتیاطی ضابطے بھی ودیعت کیے ہیں۔

یہ احتیاط عورتوں کو اپنے تحفظ کا احساس دلاتی ہے خصوصاً اس وقت جب وہ یکجا ہوں۔ وہ ہر طرح کی کوفت اور پریشانی سے محفوظ رہتی ہیں۔ اور ایسی صورت میں ایک دوسرے کے حسن و

> مجھے یہ جان کر از حد خوشی ہوئی کہ میں سڑک پر چلتے ہوئے اب پہلے سے زیادہ محفوظ ہوں کیونکہ لوگ مجھ پر سیٹیاں نہیں بجاتے اور میرے جسم کے خطوط سے اندازے نہیں قائم کرتے۔ اب میں صرف دلبستگی کا سامان نہیں ہوں۔ اسلام نے عورتوں کو خاص وقار بخشا ہے۔

باقی صفحہ ۱۲ پر

ہنی مون منانے پر کوئی پابندی نہیں ہے اس کی بنیاد تو اسلام نے ہی فراہم کی ہے

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جواب

سوال:— بہت سے مسلمان بھی شادی کے بعد ہنی مون منانے کے لیے جاتے ہوئے دیکھنے میں آتے ہیں جب کہ قرآن و سنت میں اس کا کہیں ذکر نہیں پایا جاتا۔ کیا یہ مغرب کی اندھی تقلید نہیں ہے۔ یا واقعی اس طریقہ کار میں بعض فوائد چھپے ہوئے ہیں۔

جواب:— ہماری روز مرہ کی زندگی میں جو بھی مسائل اور واقعات پیش آتے ہوں کوئی ضروری نہیں کہ قرآن کریم میں ان کے بارے میں کچھ مذکور ہو اور ان کا کوئی حل تجویز کیا گیا ہو۔ قرآن بنیادی طور پر اللہ کے اوصاف، اللہ اور بندوں کے درمیان رشتہ، آفاقی اخلاقی قدریں اور آخرت کی زندگی سے سروکار رکھتا ہے اور ان میں سے بہت سی باتوں کا تعلق سنت نبوی سے ہے۔

مسلم معاشرے میں بہت سی عادات و رسوم اور رواج ایسے ہیں جو وقت کے ساتھ برابر بدلتے رہتے ہیں۔ یہ رسوم و رواج جب تک اس حد کو نہ چھوئیں جہاں حرام کہلائے جانے لگیں تب تک ان پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکتی اور یہ سمجھا جائے گا کہ وہ بھی سماج کی وقتاً فوقتاً بدلتی ہوئی ضرورتوں کا حصہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہونے والی بہت سی اشیاء کو برا نہیں سمجھا گیا کیونکہ یہ چیزیں روز مرہ زندگی کے استعمال سے تعلق رکھتی تھیں مثلاً صابن، تولیہ، آٹا پیسنے کے نئے طریقے، میز اور کرسی وغیرہ۔

اگر کوئی نوبیاہتا جوڑا اپنے خاندان، حلقہ احباب اور یہاں تک کہ شہر سے دور چند ہفتے یکسوئی کے ساتھ گذارنا چاہتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ تبدیلی آب و ہوا کے لئے یوں بھی لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہی ہیں۔ اس کا یہ ایک اچھا موقع ہوتا ہے۔ اسی کو ہنی مون کہتے ہیں۔ ممکن ہے سائل کے ذہن میں ہنی مون کا کوئی اور تصور ہو۔ جہاں تک تقلید کا سوال ہے تو مغرب خود مسلمانوں کی تقلید کر رہا ہے کیونکہ ہنی مون کی بنیاد اسلام نے فراہم کی ہے۔ نو بیاہتا جوڑے کا ایک ہفتے تک ساتھ رہنا سنت ہے۔ اس کا مقصد دونوں کو ایک دوسرے سے قریب لانا اور ہم آہنگ کرنا ہے۔ اس طرح آئندہ زندگی میں ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کی ذہنی تربیت دینا مقصود ہے۔

> ہنی مون کی بنیاد اسلام نے فراہم کی ہے۔ نوبیاہتا جوڑے کا ایک ہفتے تک ساتھ رہنا سنت ہے۔ اس کا مقصد دونوں کو ایک دوسرے سے قریب لانا اور ہم آہنگ کرنا ہے۔ اس طرح آئندہ زندگی میں ایک دوسرے کا ساتھ نبھانے کی ذہنی تربیت دینا مقصود ہے۔

سوال:— ایک شخص کا انتقال سعودی عرب میں ہوا۔ کیا اس کی میت اس کے وطن بھیجنا جائز ہے۔ یہ سوال اس بناء پر کیا جا رہا ہے کہ میت کو کسی دوسرے ملک بھیجنے میں اس کی Embalming کرنی پڑتی ہے جس میں جسم کا سارا خون نکال کر اس کی جگہ Embalming Fluid بھر دیا جاتا ہے جو کہ اسلامی طریقہ نہیں معلوم ہوتا۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

جواب:— اس بات پر چاروں فقہ میں اتفاق رائے ہے کہ اگر میت کو اس کے وطن لے جانے کے لئے معقول وجہ ہے یعنی یہ کہ دیار غیر میں کوئی عزیز رشتہ دار ایسا نہیں ہے جس کے سامنے تجہیز و تکفین ہو سکے اور جو قبر کی دیکھ بھال کرے، تو ایسی صورت میں فوت ہونے والے شخص کے اہل خاندان جہاں پر ہوں وہاں میت پہنچائی جئے۔ Embalming کے عمل میں استعمال ہونے والے کیمیائی مادے اگر شرعی اعتبار سے پاکی کے درجے میں شمار ہوتے ہیں تو انسانی جسم میں ان کے منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

صحابہ کے ایسے کئی بیانات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بعض رشتہ داروں کی نعش ایک شہر سے دوسرے شہر میں تدفین کی غرض سے لے گئے۔ مثلاً عبدالرحمن بن ابی بکر کی وفات ابی نیسیا میں اور تدفین مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ ایک ملک میں انتقال کرنے والے شخص کی نعش کو دوسرے ملک میں تدفین کے لیے لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس بارے میں جب امام الزہری کی رائے معلوم کی گئی تو ان کا جواب یہ تھا کہ سعد بن ابی وقاص کی جب وفات ہوئی تو انھیں عقیق سے مدینہ منورہ لے جایا گیا اور اسی طرح ابن عمر کو مکہ مکرمہ کے قریب واقع سلف لے جایا گیا۔ غرضیکہ اگر نعش کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اسے بوجوہ ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سوال:— محبت و احترام کے اظہار کے طور پر ماں کے ہاتھ کا بوسہ لینا یا اس کے پیر چومنا کیسا ہے؟

جواب:— اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ماں اور باپ کے ہاتھ چومنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اس کا خیال ضرور رکھا جائے کہ اس میں مبالغہ نہ نظر آئے یعنی کہ گھر میں داخل ہوتے ہوئے یا وہاں سے نکلتے وقت ماں باپ کے ہاتھ پاؤں چومنے کا مستقل طریقہ بنا لیا جائے۔ اس کا موقع و محل ہوتا ہے۔ ماں کا تو اپنی اولاد پر خاص حق ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کے لئے سارا آرام و سکون قربان کرتی ہے اپنی تمام محبت و شفقت اس پر نچھاور کرتی ہے۔ کسی بات یا فعل میں مبالغہ سے اسلام نے منع کیا ہے اور میانہ روی اس کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

ہارٹ اٹیک ہی نہیں اسٹروک بھی آپ کی جان کا دشمن ہے

کولسٹرول کم کریں اس کی زیادتی امراض قلب کو دعوت دیتی ہے

ہارٹ اٹیک کے بعد اسٹروک ہندوستان میں موت کا دوسرا بڑا سبب ہے۔ یہ خیال درست نہیں کہ اسٹروک صرف ساٹھ یا اس سے زیادہ سال کے لوگوں کو ہی ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کے لئے عمر کی قید کوئی نہیں تاہم اسٹروک کے اسی فیصد حادثات سے طرز زندگی میں مثبت تبدیلیوں کے ذریعے بچا جاسکتا ہے اس کے علاوہ تیر بہدف دوائیں بھی اب ایجاد ہوچکی ہیں۔

اسٹروک کی کئی قسمیں ہیں جن میں سے ایک ہیمورجی اسٹروک ہے اور اس وقت واقع ہوتا ہے جب دماغ میں کوئی کمزور پڑجانے والی رگ پھٹ جاتی ہے اور خون بعض شریانوں کی طرف رخ کرتا ہے اور بعض شریانیں براہ راست فشار خون سے برباد ہوجاتی ہیں۔ اسٹروک کے ہر پانچ واقعے میں ایک ہیمورجی نوعیت کا ہوتا ہے۔ اس کے آثار ہیں اچانک ضعف بصارت خصوصاً ایک آنکھ میں، ایک کے دو نظر آنا، نگاہ کے سامنے بار بار سایہ سا آجانا، چہرے کے ایک رخ، بازو یا ہاتھ کا مفلوج اور شل ہوجانا، جسم کا توازن بگڑ جانا وغیرہ۔ انسانی جسم کو معذور کردینے والے اسٹروک کی قسموں کا سبب انجماد خون ہوتا ہے اور دماغ میں آکسیجن اور گلوکوز کی فراہمی کا تسلسل ٹوٹنے لگتا ہے۔ اسٹروک اسی دوران میں خلل ڈالتا ہے۔ اسٹروک کی ایک اور قسم تھرومبوٹک ہے جس میں دماغ کا مرکزی خط مطلوبہ فراہمی خون سے کسی رگ میں پھنساؤ کے باعث محروم ہوجاتا ہے۔ یہ بات عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ امراض قلب کا بڑا سبب کولسٹرول کی زیادتی اور بلند فشار خون ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ امراض قلب اور اسٹروک دونوں کے خطرات یکساں ہیں۔ اگر آپ ہارٹ اٹیک سے بچنے میں واقعی دلچسپی رکھتے ہیں تو اس کے ساتھ آپ اسٹروک سے بھی بچنے کے لئے کوشاں ہیں۔ جو چیز ان دونوں میں مشترک ہے وہ شریانوں کی دیواروں پر چکنائی دیواروں کی تہوں کا جم جانا اور جہاں یہ تہیں زیادہ موٹی ہوجاتی ہیں خون کے تھکے بن جاتے ہیں۔ اس کے آثار ہیں، تے، متلی، سستی، خطرے کی ایک اور علامت گردن میں چٹاخ کی آواز ہوتی ہے اسٹروکس کے ایک چوتھائی حادثوں کا سبب دل سے دماغ کو آکسیجن آمیز خون پہنچانے والی دو شریانوں میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ جزوی طور پر بند دوران خون کو ستر فی صد تک روک سکتی ہے۔

حال ہی میں ایک مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ سبزیوں اور پھلوں کے بہ کثرت استعمال سے اسٹروک کے خطرات کو ۴۲ فیصد کم کیا جاسکتا ہے۔

اسٹروک کے میکنزم کا تعلق فشار خون سے ہے۔ جیسا کہ گذشتہ تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ سبزی پر مبنی خوراک کا کمتر بلڈ پریشر سے گہرا تعلق ہے اس اعتبار سے پوٹاشیم کی مقدار رکھنے والی غذاؤں کی بڑی اہمیت ہے۔ پھلوں اور سبزیوں کی اہم ترین چیز ان کے اندر غذائی ریشہ ہے جو نہ صرف بلڈ پریشر کو گھٹاتا ہے بلکہ خون میں موجود کولسٹرول کی مقدار کو بھی کم کرتا ہے۔ معدے کے اندر اس غذائی ریشے کی بڑی مقدار میں موجودگی غذا کے استعمال سے کولسٹرول کے انجذاب کو روک سکتی ہے۔

اسپرین ایک ایسی دوا ہے جو اسٹروک کی عام حالتوں میں لوگ استعمال کرلیتے ہیں، کیونکہ یہ خون کے جمنے کے عمل میں مزاحم ہوتی ہے اور اسی لئے اسے ایک معیاری علاج سمجھا جاتا ہے۔ اس کے کئی متبادلات بھی ہوسکتے ہیں اور مختلف حالتوں میں ان کی ضرورت پڑسکتی ہے۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ اسٹروک کا سبب اور اس کی نوعیت کا تعین کرنے کے بعد ہی اسپرین یا کوئی اور دوا دی جائے۔ زیادہ تر لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ ایک بار شدید اسٹروک ہونے کے بعد کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی یہ محض افسانہ ہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسٹروک کے وقوع کے چند منٹوں کے اندر ہی دماغ کے خلیے بے کار ہوجاتے ہیں اور اسی لئے کوئی علاج سود مند نہیں ہوتا۔ تاہم اسٹروک پڑنے سے چھ گھنٹوں کے اندر اگر طبی امداد اور علاج کی سہولت میسر آجائے تو مریض کے بچنے کے امکانات ہوجاتے ہیں، دماغی نشوونما کی صحت کو برقرار رکھا جاسکتا ہے اور جسم کے کسی حصہ کو مفلوج ہونے سے بھی بچایا جاسکتا ہے۔ اسٹروک مینجمنٹ کے میدان میں حالیہ ترقیات میں ایک

باقی صفحہ ۱۵ پر

کیا بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ دماغ بھی سکڑنے لگتا ہے؟

عمر رسیدہ دماغوں کی فعالیت کا ایک جائزہ

ضعف کی طرف مائل دماغ کے بارے میں لوگوں کا وہی تصور ہے جو کسی کے سر کے گرتے ہوئے بالوں کے متعلق ہوتا ہے۔ ضعف دماغ سبب ہے نیورون میں بتدریج کمی واقع ہونے کا۔ دماغ کے خلیوں میں ۲۰ سال کی عمر کے بعد کمی آنی شروع ہوتی ہے اور تقریبا تمام صلاحیتیں ایک طرح سے زوال کی طرف جانے لگتی ہیں۔ بعض گنجے ہونے لگتے ہیں اور بھولنے کی شکایت ہوجاتی ہے اور بعض لوگوں کے سر پر اسی نوے کی عمر تک بھی بال پورے رہتے ہیں۔

اسی اور نوے سال کی عمر کے لپیٹے میں چل رہے مردوں اور عورتوں کے بارے میں کی گئی تفصیل سے معلوم ہوا ہے کہ کسی صحت مند دماغ میں دماغی خلیوں کے نقصان کی شرح خاصی کم اور بعض حصوں تک ہی محدود ہوتی ہے جب کہ دیگر حصے پوری طرح فعال رہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہر دس میں سے ایک شخص ایسا پایا گیا ہے جس کی ذہنی صلاحیتوں میں اس عمر میں آکر اضافہ ہوجاتا ہے مثال کے طور پر ذخیرہ الفاظ اور حساب کتاب

نئی تصویری تدابیر مثلا PET اسکین اور میگنٹیک ریزوننس ایمجنگ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ عمر کی انتہائی منزلوں میں دماغ سکڑنے کی طرف مائل ہوتا ضرور ہے لیکن اتنا نہیں جتنا عموما خیال کیا جاتا ہے۔ تاہم دماغ کے سکڑنے کا عنصر دماغی صلاحیتوں کو متاثر کرتا ہوا نہیں پایا گیا ہے۔ اس عمل کو ڈرامائی تبدیلی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ نئی تصویری تدبیروں نے نیورو سائنٹسٹس کی اس مہمات میں بھی رہنمائی کی ہے کہ دماغی کھنگی پر ہونے والے پچھلے مطالعات میں کیا خامیاں رہ گئی تھیں۔ ان مطالعات کا تعلق Alzheimers discease کے ابتدائی مراحل سے ہے۔ اب دماغ اسکین اور محتاط اسکریننگ سے دماغ کی کارکردگی کی کیفیت کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ دماغ کی سکڑن کے مطالعے میں سربرل کورٹکس کی جھریوں بھری سطح کے کنارے پیدا ہونے والے خلاء کا مشاہدہ برابر کیا جاتا ہے۔ یہی خلاء عمر کے ساتھ بڑھتا جاتا اور دماغ کے مجموعی سائز اور ساخت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بیس سے ستر سال کی عمر میں اوسطا دس فی صد دماغ کم ہوجاتا ہے لیکن یہ نقصان یا کمی شناخت اور یادداشت جیسی صلاحیتوں کی تخفیف میں ہی ظاہر ہوتی ہے۔ بذات خود دماغ کی فعالیت، برقرار رہتی ہے کیونکہ نیرونز کے درمیان باہمی ربط کا فائدہ ہوتا ہے کہ اگر ان میں سے بعض کم بھی ہوجائیں تو اس کمی کی تلافی دوسرے نیورون کردیتے ہیں۔ تلافی کے اسی عنصر علم عمر رسیدہ لوگوں کے مطالعہ میں ہوا ہے۔ نیورو سائنٹسٹوں نے ایسے افراد کو الگ زمرے میں رکھا ہے کہ جن کا دماغ تو سکڑ رہا ہے لیکن باقی ذہنی صلاحیتیں بدستور ہیں۔ اور عمر رسیدہ افراد کے صحت مند دماغ جن میں سکڑنے کے آثار نہیں دیکھے گئے نوجوانوں کی طرح ہی فعال پائے گئے ہیں۔ ایک اعتبار سے عمر رسیدہ صحت مند دماغ کرکٹ کے اسی کھلاڑی کی طرح ہے کہ جو فاسٹ بال تو کیچ نہ کرپائے لیکن کسی اور موقع پر کسی بھی بلے باز کو آؤٹ کردے۔

الزامیر کے سولہ سالہ مطالعے کے دوران اکہتر سے پچانوے سال کے مردوں اور عورتوں کی طرف رضا کارانہ طور پر مہیا کی گئی تفصیل سے یہ نتائج سامنے آئے ہیں۔ ان افراد پر کی گئی آٹوپسی سے معلوم ہوا کہ ذہنی طور پر چست و توانا افراد کے دماغوں میں کوئی سکڑن تو نہیں تھوڑا سا کھنچاؤ ضرور تھا اور یہی بات ان کے مرض کا سبب تھی۔ واشنگٹن یونیورسٹی میں نیورو لوجسٹ ڈاکٹر مورس کے بیان کے مطابق ذہنی طور پر توانا افراد کے دماغ میں کھنچاؤ کے آثار سربرل کورٹکس میں نہیں جو مرکزی اہمیت کا حامل ہے بلکہ ہپوکیمپس میں پایا گیا جس کا تعلق یادداشت سے رہتا ہے۔

ڈاکٹر مورس نے یہ بھی بتایا کہ مذکورہ زمرات عمر کے افراد کے بارے میں جمع شدہ معلومات مشہور جریدے نیورولوجی میں شائع کی جائیں گی اور ان معلومات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ زیر مطالعہ افراد میں سے ایسے لوگوں کی خاصی تعداد ہوسکتی ہے جن میں یادداشت کی کسی خرابی کی شکایت پیدا نہ ہوتی ہو اور نہ ہی ان کے دماغ کی ساخت کی کیفیت میں کوئی قابل ذکر تبدیلی آئی ہو جس کو منفی آثار سے تعبیر کیا جائے۔ جیسا کہ ذکر کیا جاچکا دماغ پر ہپوکیمپس حصے میں واقع ہونے والی تبدیلیوں کا یہ اثر نہیں پڑتا کہ اس کے فعل کی قطعیت میں کوئی فرق آئے بلکہ یادداشت کے ذخیرے میں سے انٹرپول کا عمل سست پڑنے لگتا ہے۔ اسی طرح کے نتائج تک ڈاکٹر براڈ ہائمن کی بھی رسائی ہوئی ہے۔ ان کے ۶۰ سے ۹۰ سال کی عمر کے زیر مطالعہ افراد میں ایسے کوئی آثار نہیں پائے گئے جس سے دماغی فعل کے خلل کا شائبہ ہو اور یہ صحت موت کے وقت تک برقرار ہو۔ اس ضمن میں انہوں نے یہ بھی پتہ لگایا ہے کہ صحت مند دماغ کی کھنگی کا عمل دماغی خلیوں کے درمیان ارتباط کی کمزوری کے نتیجے میں ظاہر ہوتا ہے۔

نسواں پرست دانشورہ فاطمہ مرنیسی کہتی ہیں

حجاب کے حکم نے عورتوں سے آزادی اور جمہوریت سلب کرلیا ہے

مسئلہ حجاب پر ایک گمراہ کن کتاب کا معروضی جائزہ

ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہو گا۔

دی ویل اینڈ دی میل ایسٹ : اے فیمنٹ انٹر پرٹیشن آف ویمنس رائٹس ان اسلام

مصنفہ : فاطمہ مرنیسی / ترجمہ میری جولیک لینڈ

ناشر: ایڈیسن ویسلی پبلشنگ کمپنی

تبصرہ: کوکب صدیقی / ترجمہ: س۔ احمد

مراقش نژاد فاطمہ مرنیسی کی بظاہر دلکش یہ کتاب دانشوری کے پردے میں دام فریب سے کم نہیں جس کے چند ابتدائی ابواب قاری اس تاثر میں پڑھ جاتا ہے کہ مصنفہ نے اسلام پر عورتوں کو غلامی سے نجات دلانے کی قوت کی حیثیت سے نظر ڈالی ہے۔ اور اچانک آخر میں اس پر یہ انکشاف ہوتا ہے کہ اسلام کے ساتھ اصل مسئلہ اور پریشانی پردہ کی ہے اور مرنیسی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عمر بن الخطاب کے زیر اثر اسلام نے عورتوں کو محبوس کر کے انکے اصل وقار کو پامال کر دیا۔ ان کا دعوی ہے کہ عہد رسالت میں مدینہ خانہ جنگی کی کیفیت سے گذر رہا تھا۔ ان کے خیال میں مدینہ کی شاہراہیں اور گلیاں حد درجہ پر خطر تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ حضرت عمرؓ سے بہت متاثر تھے اس لئے اعلی گھرانوں کی مسلمان خواتین کو حجاب کا اہتمام کرنے کا حکم دیا تاکہ اوباشوں کی ہوس ناک نگاہوں سے محفوظ رہیں۔ شروع میں تو مرنیسی نے بجاطور پر حجاب کو پردے سے تعبیر کیا ہے لیکن آگے چل کر اسے گھونگھٹ یا چلمن کا نام دے دیا ہے۔ ان کا یہ بھی دعوی ہے کہ ایک طرف شریف گھرانوں کی عورتوں کے لئے یہ حکم تھا تو دوسری جانب لونڈیوں کو زنا کا شکار ہونے کے لئے چھوڑ دیا گیا ان پر حجاب کی قید نہیں لگائی گئی۔ اگرچہ کتاب کے ابتدائی ابواب میں بیان کردہ تفصیل معتبر ماخذ پر مبنی نہیں لیکن الزام تراشیوں کے باب کو محترمہ نے ماخذ کا مرہون منت نہیں ہونے دیا ہے جس کی مثال کتاب کے صفحہ ۹۱، اپر پردے کے ضمن میں آزاد اور غلام عورتوں سے متعلق دیا گیا بیان ہے۔

> حضرت عمرؓ اور ابو بکرؓ کے زمانے میں عورتیں باوقار لباس پہنتی تھیں اور نہ صرف یہ کہ گھر کی چہار دیواری میں رہیں بلکہ قادسیہ اور یرموک جیسے معرکوں میں شریک بھی ہوئی ہیں اور یہ واقعات ایسے ہیں کہ ان سے تاریخ اسلام کا رخ پھر گیا کہ جس کے بعد اسلام دنیا کی اہم طاقت کئی صدیوں تک بنا رہا

مرنیسی کی کتاب سنگین اور بنیادی غلطیوں سے بھری ہوئی ہے اور خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تو جا بجا حملے کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ فنی کمزوریوں کی بھی یہ ایک روشن مثال ہے۔ انھوں نے اپنا پورا مقدمہ زیادہ تر تاریخ اور تفسیر کی کتابوں کی روشنی میں تیار کیا ہے۔ شاید انھیں پتہ نہیں کہ اسلام کے ماخذ خود قرآن اور حدیث ہیں مثلاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔ مزید یہ کہ احادیث پر بھی آنکھ بند کر کے یقین نہیں کرلیا جاتا۔ عالم حدیث کے پاس جو کچھ بھی حدیث کسی موضوع پر بیان کرتی ہے اس کے مفہوم کی وضاحت کی اہلیت ہونی چاہئے۔ نقد حدیث کا سلسلہ جیسا کہ مرنیسی جانتی ہیں لیکن باسانی بھول بھی جاتی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے شروع ہو کر کافی ترقی پا چکا تھا جس کے بعد امام بخاری نے اسے درجہ کمال کو پہنچایا۔ جو حدیث مرنیسی کو پسند نہیں آئی تو وہ اس کی روایت کرنے والے صحابی کے نفسیاتی تجزیہ میں لگ جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو تصویر انھوں نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر اور ابوہریرہ کی پیش کی ہے وہ محض ان کے تخیل کی پیداوار ہے اور یہ باسانی بھول جاتی ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بہت سے حریف اور دشمن تھے جو ان کے بارے میں بے نبیاد افواہیں پھیلاتے رہتے تھے۔

ایسا لگتا ہے کہ مردانہ اشرافیہ Male Elite سے ان کی مراد مسلم ممالک کے بدعنوان حکمراں ہیں جس میں امریکہ اور اسرائیل نواز مراقشی فرمانروا بھی شامل ہیں۔ ان کا اصرار ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بارسوخ اشخاص کے چھوٹے سے مجموعے سے تعلق رکھتے تھے اور اسی مجموعے میں سے خلفاء راشدین کا انتخاب و تقرر ہوتا تھا (صفحہ ۴۰) اس طرح اپنی پوری مال و متاع سے دست بردار ہو کر سادہ زندگی کی راہ اختیار کرنے والے جن کی تاریخ کوئی نظیر پیش کرنے سے قاصر رہے گی ، مرنیسی کی نگاہ میں بارسوخ بھیڑئے ہیں۔ مساوات اسلام کا اصل اصول ہے اور حضرت ابوبکر، عائشہ، عمر، عثمان، بلال ، سے زیادہ اس مساوات کو مضبوط کرنے میں کسی نے خدمت انجام نہیں دی ہوگی۔ انہیں امویوں اور عباسیوں جیسا سمجھنا کسی اسکالر کے لئے واقعی باعث شرم ہے۔

یوں تو مرنیسی کے دعووں کے بطلان کے لئے باقاعدہ کتاب لکھی جاسکتی ہے لیکن یہاں ہم صرف حضرت عمر کے حوالے سے عورتوں کو مقید کرنے کے الزام پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ پردہ یا حجاب سے مراد بالکل وہی چیز وہی سادہ لباس ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے۔

اس کے علاوہ انھوں نے یہ حقیقت بھی نظر

باقی: صفحہ ۱۲ پر

آپ کی الجھنیں

"وہ اظہار محبت پر بے نیازی دکھاتی ہے اور کنارہ کشی پر الزام تراشی کرتی ہے"

اگر آپ کسی الجھن میں ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔

سوال: — میری شادی ایک ایسی عورت سے ہوئی ہے جو بہت بدمزاج ہے، جلد غصے میں آجاتی ہے اور پردے اور حجاب کا بھی کوئی لحاظ نہیں کرتی۔ میں کسی بات سے اسے روکتا ہوں یا کسی اچھے کام کی ترغیب دیتا ہوں تو یہ اسے گوارا نہیں ہوتا۔ زیادہ تر وہ کسی نہ کسی بہانے سے بستر پر دراز رہتی ہے اور میرے حقوق کی ادائیگی بھی بدقت تمام کرتی ہے۔ جب میں اس سے الفت کا اظہار کرتا ہوں تو بے نیازی برتتی ہے اور جب عاجز ہو کر کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں تو الزام تراشی پر اتر آتی ہے۔ میں اس معاملے سے سخت پریشان ہوں اور کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں۔

جواب : — کسی مسلمان شخص کو مندرجہ ذیل اقسام کی شریک حیات سے سابقہ پڑ سکتا ہے

(۱) عورت دیندار ہو تو جب اسے غصہ آتا ہے تو کچھ دیر میں اسے فرد کر کے اپنے شوہر سے ملاپ کر لیتی ہے۔ غصہ ختم ہو جانے کے بعد شرمندہ ہوتی ہے اور جو کچھ کلمات غصہ کی حالت میں اس کے منہ سے ادا ہوئے ہوتے ہیں اس کے لئے شوہر سے معافی تلافی کرتی ہے۔ غصہ جنون کی ہی ایک کیفیت کا نام ہے۔ ایسے وقت میں شوہر کو صبر کرتے ہوئے بیوی کے ساتھ ہر ممکن تعاون کرنا چاہئے اور دلاسہ دینا چاہئے جس سے اسے سکون پہنچے۔ اگر جوابا شوہر بھی ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھے اور چراغ پا ہو جائے تو بات بننے کے بجائے بگڑے گی۔ گویا شدت کا مقابلہ شدت سے نہیں بلکہ نرمی سے ہونا چاہئے۔

(۲) عورت دین دار ہے اور جلد اس کو غصہ آتا ہے تو ایک امکان یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جلد ہی خاموش بھی ہو جائے اور شوہر کی نصیحت کو مان جائے یہاں بھی اس کے ساتھ نباہ کرنے یا چھٹکارہ پانے کے عواقب اور اگر بچوں کا ساتھ ہے تو ان پر پڑنے والے اثرات کا موازنہ اچھی طرح کر لینا چاہئے۔

(۳) عورت دین دار نہیں ہے لیکن شوہر کی ہدایت اور نصیحتوں کو توجہ سے سنتی ہے، اس کا ادب و احترام کرتی ہے۔ ایسی صورت میں احسن یہی ہے کہ شوہر اس کے ساتھ مزید حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے دینداری کی طرف مائل کرے اس طرح دینداری کی دعوت میں جو صعوبتیں بیوی کی طرف سے اس کی راہ میں آئیں گی وہ باعث ثواب ہوں گی کیونکہ اگر ایک مسلمان دوسرے شخص کی ہدایت کا سبب بنتا ہے تو یہ اس کے حق میں دنیا کی کسی بڑی دولت سے بھی بڑھ کر ہے۔

(۴) عورت دیندار بھی نہیں ہے اور کسی طرح کی ہدایت و نصیحت پر عمل کرنے پر آمادہ بھی نہیں ہوتی اور اس کی اصلاح کے تمام طریقے ناکام ہو جائیں تو ایسی صورت میں طلاق کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ تاہم موجودہ معاملے میں سائل کے لیے مناسب ہو گا کہ اپنے خاندان کے اہل رائے کو جمع کر کے ان سے صلاح مشورہ کرلے۔

سوال: — ہم تین بہنیں ہیں اور معلمی کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ ہمارے لیے کئی رشتے آئے لیکن جب بھی کوئی پیغام لے کر آتا ہے ہمارے والد کوئی نہ کوئی عذر کر کے ٹال دیتے ہیں یا لڑکے میں کوئی عیب نکال دیتے ہیں۔ کوئی ان کی پسند پر پورا نہیں اترتا۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس قیل وقال کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ ہماری تنخواہوں کو اپنے مصرف میں لاتے رہیں اور ہمارے مفاد و مصلحت سے چشم پوشی کرتے رہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کس طرح اور کیسے وہ سمجھیں گے۔ وہ ہمارے باپ ہیں اور مقدر ہمارا ایسا ہو گیا ہے۔

> اللہ نے آپ تینوں کو ایمان عقل اور علم کی دولت سے نوازا ہے۔ صبر کا دامن تھامے رکھیں اور اپنی بات صاف صاف والد صاحب کے سامنے بیان کردیں۔ اگر کہنے میں جھجک ہو تو لکھ کر مطلع کریں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی شخص کی وساطت سے پہنچائیں۔

جواب: — پہلے تو دو باتیں ہم لڑکیوں کے باپ اور ان جیسے اشخاص سے کرلیں۔ جناب! آپ کو اللہ تبارک و تعالی نے اولاد کی نعمت سے نوازا ہے جب کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں جو اس حسرت میں ہی رہ جاتے ہیں کہ انہیں بھی اللہ اولاد عطا کرتا۔ آپ کو تو اولاد صالح ملی ہے۔ ان سے پوچھئے جو اس کی تمنا کرتے ہیں۔ آپ کو اللہ نے تین بیٹیاں عطا کیں آپ نے ان کی تربیت کی اور انہیں تعلیم دلوائی بہت اچھا کیا اور ان پر احسان کیا۔ وہ شخص جو تین بیٹیوں کو پال پوس کر پڑھا لکھا کر ان کی شادی کر دیتا ہے اس کو اللہ کی طرف سے اجر عظیم عطا ہوتا ہے۔ آپ کو شکر ادا کرنا چاہئے کہ آپ کی تینوں بیٹیاں آپ کا حد درجہ احترام کرتی ہیں۔ ان کی تنخواہوں کو مصرف میں لانے کا حق بھی حاصل ہے یہ ان کی خاصی محبت کا ثبوت ہے۔ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ بغیر شادی کے ان کی عمریں نکال دینے کا کیا نتیجہ ہو گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر تمہارے پاس شادی کا پیغام لے

باقی: صفحہ ۱۲ پر

Price Rs. 5/-
15 - 31 MAY 1996
Volume : 3, Issue : 10

The Milli Times International
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi - 110025 Phone : 6827018
Fax: (011) 6926030

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-11234/96

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

کسے معلوم تھا کہ عظیم ریاست حیدر آباد کا چشم و چراغ اور والی جس کے دادا نظام حیدر آباد عثمان علی خاں کی راہوں میں کبھی لوگ پھول بچھایا کرتے تھے آج وہ برہنہ پیر آسٹریلیا کی سرخ خاک میں اپنے زوال کے دن پورے کرنے پر مجبور ہو گا۔ شہزادہ مکرم جاہ جو اب صرف نام کے شہزادہ ہیں ان کا تعلق اسی خانوادے سے ہے جس نے حیدر آباد پر تقریباً دو سو سال تک حکومت کی اور جن کے دادا کبھی دنیا کے امیر ترین لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ آج وہی مکرم جاہ اپنی عظمتوں کی کہانی لیے آسٹریلیا میں بھیڑ پالنے کے مشغلے میں مصروف ہیں۔ حکمرانی سے دربدری کی کہانی بھی بڑی دردناک ہے۔ کبھی کا حکمراں آج کا صحرا نورد ہے۔ مکرم جاہ کی کہانی صرف اس کی کہانی نہیں بلکہ ہندوستان میں ان جیسے بے شمار مسلم نوابوں، رئیسوں اور جاگیرداروں کی کہانی ہے جو دیکھتے دیکھتے فضا میں یوں تحلیل ہوئے کہ اب یقین بھی نہیں آتا کہ اس ہندوستان کی سرزمین پر کبھی مسلمانوں کا بول بالا تھا، وسائل ان کے قبضے میں تھے، جاہ و حشم ان کا حصہ تھا اور تب یہ سب کچھ ان کے ہاتھ میں تھا کہ وہ اس ملک کے وسائل میں سے جس کو چاہیں جتنا کچھ عطا کردیں۔

موجودہ ہندوستان میں مسلمانوں کی غربت، افلاس اور فاقہ مستی دیکھ کر کسے یقین آئے گا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو کبھی وسائل تقسیم کیا کرتے تھے۔ حالات کے اس الٹ پھیر کی کہانی بھی بڑی دردناک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب حیدر آباد میں عثمان علی خاں کا طوطی بولتا تھا، جب وسائل ان کی گرفت میں تھے تب ان کا ایک ہی شوق تھا یعنی زیادہ سے زیادہ شادیاں کرنے کا بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جب عثمان علی خاں سیر کو نکلتے تو مائیں اپنی نوجوان لڑکیوں کو چھپا لیتیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی خوبصورت چہرے پر نظام حیدر آباد کی نظر پڑجائے اور وہ اسے فوراً ہی اپنے حرم میں داخل کرنے کا فیصلہ کرلیں۔ عثمان علی خاں کے بعد ان کے پوتے مکرم جاہ نے اپنے دادا سے وراثت میں صرف مال و دولت ہی حاصل نہیں کیا بلکہ زیادہ سے زیادہ شادیاں کرنے کا شوق بھی ان کو ورثے میں ملا۔ ریاست ختم ہوچکی تھی اور جب سیاسی قوت ختم ہوجائے تو عزت و دولت کچھ بھی برقرار نہیں رہ سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہیرے جواہرات کو بیچ کر مکرم جاہ نے آسٹریلیا میں کوئی دو سو کلومیٹر پر مشتمل بھیڑیں پالنے کا ایک علاقہ خرید لیا اور اس طرح اپنے عظیم الشان ماضی سے تعلق توڑ کر محکوم زندگی کے دن گننے لگے۔

آج کل مکرم جاہ مسلسل سوچتے دکھائی دیتے ہیں کہ شاید وہ اپنے عظیم الشان ماضی کو تصور میں تازہ کرتے ہیں لیکن ان تکلیف دہ حقائق سے توجہ ہٹانے کے لئے دوسری مصروفیتوں کا سہارا لیتے ہیں اور کبھی اپنی پانچویں بیوی کے ساتھ بھیڑوں کے فارم میں وقت گزاری کے لئے آجاتے ہیں۔ لیکن ان کے چہرے پر اب پہلے سا تبسم نہیں بلکہ تفریحی لمحات میں بھی گہری سنجیدگی چھائی ہوتی ہے شادیاں تو انہوں نے نہ جانے کتنی کیں اور طلاق کا بھی تناسب کچھ اسی طرح ہے۔ سکون کی تلاش انہیں لذت پرستی کی طرف لے گئی لیکن اس محاذ پر بھی ان کے ساتھ حادثے ہوتے رہے ان کی دوسری بیوی ایڈز کا شکار ہو گئیں۔ ۱۹۹۰ میں انہوں نے ایک ترکی حسینہ سے شادی کی جس کی اولاد کے باپ ہونے سے انہیں انکار ہے۔ گذشتہ سال انہوں نے آر کیلی کیپانی سے شادی کی جس کی ہر مسکراہٹ پر ان کا چہرہ مزید سنجیدہ ہوجاتا ہے۔ ۶۳ سال کی عمر میں مکرم جاہ کو ایسا لگتا ہے کہ ان کا خواب کھویا گیا ہے آخر وہ کس لئے زندہ ہیں۔ زندگی مزید دشوار ہوتی جارہی ہے۔ ان کی معاشی حالت مسلسل بحران کا شکار ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مکرم جاہ کو اب شاید احساس ہوچلا ہے کہ محض مال و دولت اور لذت کی خاطر پرسکون زندگی کا جینا ممکن نہیں اور اگر زندگی میں کوئی مشن نہ ہو تو مال و دولت بھی رفتہ رفتہ انسان کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔

فرد ہو یا قوم اگر اس کا خواب کھوجائے تو وہ مکرم جاہ بن جاتا ہے۔ انسانی زندگی زوال یا عروج کے رخ پر چلتی ہے اگر آپ آگے بڑھنے سے انکار کرتے ہیں تو پیچھے ہٹنا آپ کا مقدر بن جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ کسی ایک جگہ مسلسل کھڑے رہیں۔

مکرم جاہ کی طرح ہندوستانی مسلمانوں کا بھی کھویا ہوا خواب انہیں پستی کی طرف دھکیل رہا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد انہوں نے سوچا تھا کہ شاید ایک بے ضرر اقلیت کی حیثیت سے بعض آئینی قوانین کے تحفظ کے ساتھ انہیں اس ملک میں جینے کا حق مل جائے گا کہ تب انہوں نے اس ملک کو ایک قیادت دینے کے خواب سے اپنی براءت کا اعلان کردیا تھا لیکن اب انہیں محسوس ہو رہا ہے کہ اس خواب کو کھوکر وہ مسلسل پسپائی کا شکار رہے ہیں۔ شاید اب وقت آگیا ہے کہ یہ فیصلہ کرلیا جائے کہ ہمیں پیچھے ہٹتے رہنا ہے یا دوبارہ آگے بڑھنے کی اسکیم ترتیب دینی ہے۔ اس لئے کہ قوموں کی زندگی میں یہ ممکن نہیں کہ دستوری تحفظات کے تحت ایک منجمد اور محفوظ اور مامون زندگی جینے کا امکان پیدا ہوجائے۔ کبھی کے والی ریاست حیدر آباد کی زندگی میں اہل نظر کے لئے عبرت کا سامان پوشیدہ ہے۔ فاعتبرو یا اولی الابصار۔

☆☆☆☆☆